خطبات سیرت رسول ﷺ

پروفیسر ڈاکٹر
محمد یوسف فاروقی

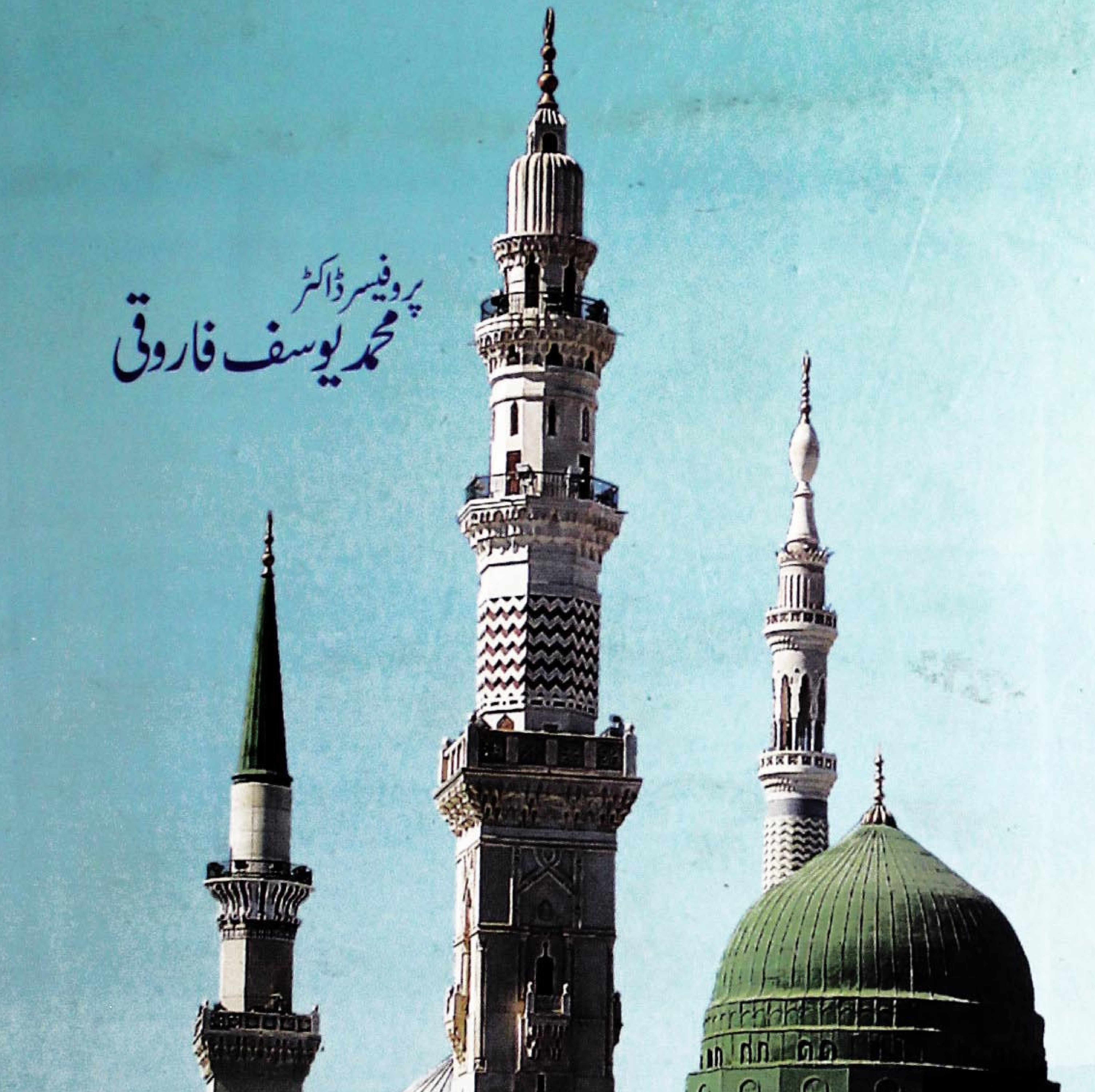

اسلامک ریسرچ سنٹر
بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان پاکستان

Marfat.com

Marfat.com

خطبات سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی

سابق ڈائریکٹر جنرل، شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

23828
DATA ENTERED

BAHAUDDIN ZAKARIYA UNIVERSITY MULTAN
1975

اسلامک ریسرچ سنٹر

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان پاکستان

Marfat.com

297.64
2 85 G

Marfat.com

انتساب

ڈاکٹر محمود احمد غازی کے نام

جن کے سلسلہ محاضرات نے علوم اسلامیہ کے طلبہ کو

بحث و تحقیق کی نئی نئی جہتوں سے متعارف کرایا

اللھم اجزل ثوابہ واکرم نزلہ و نور قبرہ

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں اس کتاب کا کوئی بھی حصہ اسلامک ریسرچ سنٹر
بہاء الدین زکریا یونیورسٹی کی تحریری اجازت سے بغیر شائع نہیں کیا جاسکتا۔

Marfat.com

فہرست مضامین

i۔	پیش لفظ	i
ii۔	مقدمہ	iv
1۔	پہلا خطبہ: حفاظتِ سیرت کا تکوینی پہلو	1
☆	حفاظتِ سیرت کے مختلف پہلو	2
☆	حفاظتِ سیرت کا تکوینی پہلو	3
☆	عربی زبان کا عروج اور اس کی حفاظت	7
☆	مضبوط قوت حافظہ	9
☆	علم الانساب	10
☆	علم قیافہ	12
☆	قبل از پیدائش معجزات کا ظہور	14
☆	رضاعی والدہ کے گھر	15
☆	شق صدر کا واقعہ	16
☆	شق صدر سے مقصود تزکیہ نفس ہے	18
☆	حفاظتِ سیرت کے تین طریقے	19
☆	سیرت، حدیث اور علم جغرافیہ	21
☆	علم تاریخ اور قصہ گوئی	22
☆	حوالہ جات	27

Marfat.com

2۔	دوسرا خطبہ: اسوۂ حسنہ اور اصول منصوبہ بندی	28
☆	قرآن حکیم میں منصوبہ بندی کا تصور	31
☆	رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں میں منصوبہ بندی کی مثالیں	37
☆	منصوبہ بندی کے لئے مقاصد کا تعین	43
☆	ہجرت مدینہ کے لئے منصوبہ	46
☆	وحدت امت کی منصوبہ بندی	52
☆	حوالہ جات	55
3۔	تیسرا خطبہ: مشاورت: ایک دستوری اصول	56
☆	رسول اللہ ﷺ کا اسلوب مشورہ	56
☆	قرآن حکیم میں شوریٰ کا حکم	57
☆	شوریٰ عہد خلافت راشدہ میں	59
☆	شوریٰ کا طریق کار	60
☆	سربراہ مملکت شوریٰ کے فیصلوں کا پابند ہے	61
☆	ارکانِ شوریٰ کی اہلیت و قابلیت	61
☆	حوالہ جات	66
4۔	چوتھا خطبہ: اسوۂ حسنہ اور اصول ترجیحات و اصول تدریج	67
☆	اعلیٰ اخلاقی اقدار کی تعلیم آپ ﷺ کی ترجیحات میں شامل ہے	68
☆	قانون پر عمل درآمد کے لئے حقیقی قوت محرکہ	69

Marfat.com

☆ مدنی زندگی کے آغاز کی ترجیحات 70
☆ مواخات کے اہم مقاصد 72
☆ دستورِ مدینہ کی تیاری 73
☆ مذاکرات و مصالحتی کوششوں کو جنگ وقتال پر ترجیح حاصل ہے 76
☆ اصولِ تدریج 76
☆ قرآن حکیم بتدریج نازل ہوا 77
☆ تدریج حکمتِ دین کا اہم پہلو ہے 78
☆ حوالہ جات 81
5۔ پانچواں خطبہ: اسوہ حسنہ اور اصول تیسیر 82
☆ خلق عظیم، رحمۃ اللعالمین اور اصول تیسیر کا تعلق 83
☆ بدترین دشمنوں کے ساتھ سہولت کا معاملہ 85
☆ اصول تیسیر کے دو پہلو 90
☆ فتح مکہ کے موقعہ پر عفو عام 94
☆ عبادات میں تیسیر 96
☆ حوالہ جات 102
6۔ چھٹا خطبہ: اسوہ حسنہ اور اصول احتساب 104
☆ اخلاقی اقدار کو اجاگر کرنے کے لئے احتساب کا عمل ضروری ہے 105
☆ آخرت کا حساب و کتاب دنیا میں محاسبہ نفس پر آمادہ کرتا ہے 106

Marfat.com

☆ اخلاص اور ضبط نفس کے لئے احتساب ضروری ہے 107

☆ فکری ارتقاء احتساب کے بغیر ممکن نہیں 111

☆ مراقبہ بھی محاسبہ کی ایک صورت ہے 113

☆ اجتماعی احتساب 116

☆ رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل 117

☆ ابوموسیٰ اشعری کا واقعہ 118

☆ خلیفۂ راشد بھی احتساب سے بالاتر نہیں 120

☆ منصب خلافت کی ذمہ داریاں 121

☆ حوالہ جات 124

7۔ ساتواں خطبہ: فکری ارتقاء اور تعمیر شخصیت سیرت طیبہ کی روشنی میں 125

☆ علم الاسماء کی تعلیم اور خلافت ارض 126

☆ علم الٰہی کی وسعت و جامعیت 127

☆ سفینہ سازی کا علم حضرت نوحؑ کو عطا کیا گیا 129

☆ حضرت داؤدؑ کو فولاد سازی اور دفاعی صنعت کا علم دیا گیا 131

☆ فلسفہ وحکمت کا علم حضرت ادریسؑ کو عطا کیا گیا 132

☆ مختلف زبانوں کا علم علمی وسعت کے لئے ضروری ہے 134

☆ علم الافلاک ایک مفید علم ہے 135

☆ فن تعمیر اور ڈیم کی صنعت 135

Marfat.com

☆ تعبیر الرؤیا اور تشریح وتعبیر کا علم 136
☆ خزائن الارض کا علم 137
☆ ہماری شریعت کا آغاز اقراء سے ہوتا ہے 138
☆ تعمیر شخصیت کے لئے کردار سازی 142
☆ فکری ارتقاء کے لئے اجتہادی عمل ضروری ہے 144
☆ حوالہ جات 146
☆ فہرست مصادر ومراجع/کتابیات 147

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

الحمد لولیہ والصلوۃ علی نبیہ ،امابعد:

سیرت النبی ﷺ ایک ایسا موضوع ہے جس کی وسعت لامحدود اور جس کی لطافت بے نظیر ہے۔ پرندے فضا میں اڑتے رہیں مگر اوج ثریا تک نہیں پہنچ سکتے۔ اسی طرح سیرت النبی ﷺ پر گفتگو کرنے والا شخص آپ ﷺ کی سیرت مطہرہ اور حیات مقدسہ کے کسی ایک پہلو پر تو سیر حاصل روشنی ڈال سکتا ہے مگر کما حقہ مکمّل سیرت النبی ﷺ بیان نہیں کرسکتا ہے۔

آپ ﷺ کی نبوت ورسالت عالمگیر ہے اور تعلیمات کسی خاص زمان ومکان کے لیے نہیں تھیں بلکہ تا قیامت آنے والے انسانوں کے لیے نجات کا سامان اور ہدایت کا چراغ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت مطہّرہ اور حیات مقدسہ کو اسوہ حسنہ قرار دیا گیا۔ (1) سیرت رسول ﷺ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلّق رکھنے والے افراد واشخاص کے لیے مکمّل رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ برصغیر کے معروف سیرت نگار علامہ سید سلیمان ندویؒ نے خطبات مدراس میں "کاملیت اور جامعیت" (2) کے عنوان سے اس پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

الحمدللہ اسلامک ریسرچ سنٹر، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کی اولین ترجیح یہ رہی ہے کہ عصری تقاضوں کے پیش نظر مختلف دینی موضوعات پر دینی ومذہبی اسکالرز کو وقتاً فوقتاً گفتگو کے لیے دعوت دی جائے تاکہ علوم اسلامیہ کے طلباء وطالبات کے فکر ونظر میں وسعت پیدا ہو اور وہ محققین کے علمی کام سے واقف ہوں اور مزید دنیا میں جو علمی

(1) القرآن، الاحزاب: 21

(2) ندوی، سلیمان، سید، خطبات مدراس، لاہور: ادارہ مطبوعات طلبہ، مئی 1995ء، ص 73,98

Marfat.com

کام ہورہا ہے اس سے تعارف ہوا اور یہ بات لکھتے وقت نہایت مسرت ہورہی ہے کہ اسلامک ریسرچ سنٹر کے زیر اہتمام متعدد ایسے سیمینارز ہوئے ہیں جس میں ملکی و بین الاقوامی علمی شخصیات نے اپنے گراں قدر علمی خطابات سے سامعین کو نوازا۔

گزشتہ سال اسلامک ریسرچ سنٹر نے سیرت النبی ﷺ کے مختلف گوشوں سے متعلقہ سات لیکچرز کا اہتمام کیا اور گفتگو کے لیے معروف اسکالر پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی، سابق ڈائریکٹر جنرل، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کو دعوت دی گئی جو کہ ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے بخوشی قبول فرمائی۔ چنانچہ ماہ ربیع الاول 1435ھ میں پہلے چار خطبات ہوئے اور اس کے بعد پھر تین ہوئے اس طرح دو مختلف پروگراموں میں کل سات خطبات ہوئے۔ جس میں شعبہ علوم اسلامیہ کے اساتذہ، طلباء وطالبات سمیت ملتان شہر کے مختلف کالجز سے تعلق رکھنے والے پروفیسرز و دیگر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے دانشور حضرات نے بھی بھرپور شرکت کی اور ڈاکٹر صاحب کے خطبات سے مستفید ہوئے۔

ان خطبات کے انعقاد میں رئیس جامعہ پروفیسر ڈاکٹر سید خواجہ علقمہ نے بڑی حوصلہ افزائی فرمائی اور انہیں کتابی صورت میں منظر عام پر لانے کے لیے خصوصی دلچسپی ظاہر کی، تاکہ یہ علمی سرمایہ دیگر افراد تک پہنچ سکے جو براہِ راست ڈاکٹر فاروقی صاحب کے ان لیکچرز میں شرکت نہ کر سکے۔ خداوند قدوس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے حق ادا نہیں ہوسکتا کہ اس نے ہمیں یہ توفیق بخشی۔

خطبات سیرت کا شائع کرنا ہمارے لیے اتنا بڑا اعزاز ہے جس کو لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ جب سے احقر نے اسلامک ریسرچ سنٹر کی

Marfat.com

ذمہ داری سنبھالی ہے اور اس عرصہ میں جتنی بھی اسائنمنٹس پایہ تکمیل کو پہنچی ہیں ان میں سب سے اہم یہی ہے۔

خطبات سیرت کی اشاعت کے موقع پر اولاً پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی اور رئیس الجامعہ پروفیسر ڈاکٹر سید خواجہ علقمہ کا شکر گزار ہوں جن کا اس میں بنیادی کردار ہے۔اور ثانیاً ان خطبات کو ابتدائی طور پر تحریر کرنے والی محترمہ فریدہ یوسف، لیکچرر شعبہ ہذا،اور خصوصی سرپرستی کرنے والے پروفیسر علی اصغر سلیمی ،اوردیگر معاونین و پروف ریڈنگ کرنے والے ریسرچ اسکالر شعبہ ہذا، حافظ فیاض احمد فاروق ،سائرہ طیبہ، غازی عبدالرحمٰن قاسمی، کمپوزر محمد شفیق الرحمٰن اسلم اور تخریج کرنے والے محمد ریاض احمد کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس عظیم الشان کام میں بھرپور حصہ لیا۔اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے ان تمام کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور اپنے شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے۔

اور آخر میں عرض ہے کہ آج امت مسلمہ جس فکری اور عملی درپیش مسائل کے اضطراب کے گرداب میں مبتلا ہے اس سے نجات کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی سیرت مطہرہ کو اپنا لیا جائے اور بحیثیت مسلمان ہمیں اپنے قول و فعل میں موافقت پیدا کرنی چاہیے اور زندگی کے تمام پہلوؤں کے بارے میں آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ سے رہنمائی حاصل کرکے اسے عملی شکل دی جائے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالقدوس صہیب
ڈائریکٹر، اسلامک ریسرچ سینٹر
بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

Marfat.com

مقدمہ

علامہ اقبال نے نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب سے میں نے اپنی والدہ محترمہ سے آپ کا نام مبارک سنا ہے تب سے آپ مجھے کائنات میں سب سے زیادہ محبوب ہو گئے ہیں۔ علامہ تو شاعر ملت ہیں ان کے کہنے کا اسلوب بھی بڑا دلکش اور مدبرانہ ہے۔ ورنہ یہ معاملہ صرف علامہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر ماں اپنے بچے کو حضور رحمۃ اللعالمین کا تعارف اسی انداز سے کراتی ہے کہ بچے اور حضور ﷺ کے درمیان ماں بھی حائل نہیں رہتی۔ کچھ اسی قسم کی بات پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی نے اس کتاب کے پہلے باب میں تحریر کی کہ والد صاحب نے تو حدیث پڑھی کہ قرآن کے عجائبات ختم نہ ہوں گے اس جملے کو سن کر میری والدہ صاحبہ نے کہا کہ جس طرح قرآن حکیم کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے اسی طرح سیرت طیبہ کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے —— یہ جملہ بچپن ہی سے میرے ذہن میں ہے اور شاید اسی وجہ سے تلاش و جستجو رہتی ہے کہ حامل قرآن کے عجائبات کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ لہٰذا تلاش و جستجو جاری رکھی جائے۔

مجھے بھی بچپن ہی میں والدہ صاحبہ سے علامہ اقبال کا کلام سننے کو ملا تو حضور نبی اکرم ﷺ سے تعارف والدہ کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال کے ذریعے بھی ہوا۔ علامہ نے ملت اسلامیہ کو جس بیداری سے سرشار کیا عشق رسول اس کا اہم ترین عنوان ہے۔ علامہ اقبال کے نزدیک یہ امت اگر کسی ایک شخصیت پر جمع ہو سکتی ہے تو وہ صرف جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ چنانچہ بیداری کا میدان ہو یا کارزاری کا، حرکت عمل پیش نظر ہو یا غور و فکر، جذبہ جنون مقصود ہو یا تحمل و بردباری، تعمیر شخصیت منزل ہو یا تشکیل ملت، توہم پرستی سے نجات پانی ہو یا علم حقیقی میں ڈوب جانا ہو، حیاتِ مستعار کا

Marfat.com

بوجھ اتارنا ہو یا حیات جاوداں کی نعمت کا پانی ہو غرض جو بھی چاہیے اسوۂ مصطفیٰ ﷺ کا روشن چراغ راہ دکھانے اور دل کو روشنی سے بھرنے کے لئے واحد سہارے کے طور پر جگ مگ جگ مگ کر رہا ہے۔

یہ محض عقیدت نہیں بلکہ علمی صداقت بھی ہے کہ جوں جوں عمر گزرتی جا رہی ہے توں توں یہ خواہش دل میں مزید ابھرتی اور نکھرتی جا رہی ہے کہ نسلِ نو کو سیرت طیبہ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ اپنی وابستگی کو مضبوط سے مضبوط تر کرنا چاہیے۔ اور یہ وابستگی محض جذباتی نوعیت کی نہ ہو جو واعظین کی تقریروں کے ذریعے پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ یہ وابستگی شعوری اعلیٰ درجے کی علمی، حقیقی اور شعوری وابستگی ہو جو اسوۂ نبوی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو اعلیٰ درجے کی کتب سیرت سے پڑھ کر حاصل ہوتی ہے۔

سیرت مصطفیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اتحادِ ملت اسلامیہ کا واحد پلیٹ فارم، آج کے مسائل کا حل، دلوں کا قرار، پیغام بہار، آنکھوں کا نور جذبوں کا سرور، سرچشمۂ ہدایت اور حیات انسانی کی غایت، جمود سے رہائی اور حرکت سے آشنائی جہالت کا توڑ اور علم سے جوڑ، بے عمل کا انکار اور عملی پر اصرار جیسی خصوصیات سے آراستہ ہے۔ غیر قوموں نے حضور ﷺ کی روشنی سے چند کرنیں لیں تو وہ راہنمائی انسانیت کے امام بنے ہوئے ہیں۔ جبکہ ہمارے پاس پورا آفتاب عالمتاب ہے پھر بھی ہم اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ ہمیں سوچنا ہے کہ اس آفتابِ عالمتاب سے رشتہ کہاں سے ٹوٹا ہے تاکہ اسے پھر سے جوڑا جائے۔

میں نے اپنی استطاعت کی حد تک طلبہ کو سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ پر آمادہ کیا۔ بعض کلاسز میں دورانِ تدریس اور فنکشنز میں دوران تقریر طلبہ و طالبات سے ہاتھ

Marfat.com

اٹھوا کر پوچھا کہ آپ میں سے کس کس نے سیرت النبی ﷺ پر کسی کتاب کا مطالعہ کیا ہے۔ میں نے اپنی اس خواہش کو یونیورسٹی میں عام کیا کہ طلبہ میں سیرت النبی ﷺ کے مطالعے کا شوق پیدا کیا جائے۔ کیونکہ میں ایمانداری سے سمجھتا ہوں کہ ہماری نجات کا واحد راستہ اسوۂ نبوی ﷺ کو اپنانے میں ہے۔

اس ضرورت کو پورا کرنے کی ایک کوشش پروپوزل کی شکل میں جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالقدوس صہیب، ڈائریکٹر، اسلامک ریسرچ سنٹر، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی نے میرے سامنے پیش کی جس میں انتہائی لائق، زیرک اور صاحب مطالعہ شخصیت جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی صاحب کے سیرت طیبہ پر لیکچرز اور پھر ان کو کتابی صورت میں شائع کرنے کی تجویز شامل تھی۔ میری تو جیسے امید بر آئی ہو۔

میں نے نہ صرف اس تجویز کو فوراً منظور کیا بلکہ ان لیکچرز میں حسب استطاعت شامل رہا اور پھر ان لیکچرز کو کتابی صورت میں شائع کرانے پر زور دیتے ہوئے اس کے مختلف مراحل سے بھی واقفیت حاصل کرتا رہا۔ جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی صاحب اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں میرے colleague رہے۔ پھر آپ اسلام آباد انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں ڈائریکٹر، دعوہ اکیڈمی اور ڈائریکٹر جنرل، شریعہ اکیڈمی رہے۔ ان کا اصل تعارف ان کا وقیع علمی کام ہے جس کی بنا پر وہ اہل علم میں معروف ہیں۔ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے ان کے لیکچرز پر مبنی مرتب ہونے والی کتاب کے بارے میں چند تعارفی کلمات لکھنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ اس طرح میں بھی اس عظیم ہستی کے ذکر کرنے والوں میں شامل ہو گیا ہوں جس کے بارے میں علامہ اقبال نے بالکل صحیح ترجمانی کی ہے کہ:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

Marfat.com

ڈاکٹر فاروقی صاحب نے سیرت النبی ﷺ کے ایسے گوشے نمایاں کئے جن کی آج ہمیں سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ اس امر پر اطمینان کہ سیرت النبی ﷺ ہمارے پاس محفوظ شکل میں موجود ہے۔ یہ ہمارے ایمان کو مزید پختہ کر دیتا ہے۔ آج اہل علم کے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ وہ سیرت کے وہ پہلو سامنے لائیں جو آج کے دور میں ہماری راہنمائی کے لئے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ محترم ڈاکٹر فاروقی صاحب نے ان لیکچرز میں یہی کام بحسن وخوبی انجام دیا ہے۔

اسوۂ حسنہ سے اصول منصوبہ بندی پر بھرپور گفتگو کی گئی ہے۔ آج جب منصوبہ بندی کو توکل کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر فاروقی صاحب نے تعلیمات نبوی اور اسوۂ حسنہ سے واضح کیا ہے کہ توکل اور منصوبہ بندی لازم وملزوم ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ قدم قدم پر منصوبہ بندی سے مامور نظر آتی ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''منصوبہ بندی ایک ایسا اصول ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے۔ اس اصول کا دائرہ ہر شعبہ زندگی کو محیط ہے۔ آپ کی عبادات کی زندگی ہو یا تعلیمی زندگی، آپ کی خاندانی زندگی ہو یا سیاسی یا معاشی زندگی، جو بھی شعبہ ہو اس شعبے سے متعلق کوئی فیصلہ بغیر منصوبہ بندی کے آپ نہیں کریں گے، اس لئے کہ یہی اسوۂ حسنہ ہے''۔
>
> (ص29, 30)

ملوکیت اور ڈکٹیٹرشپ کی وجہ سے آج مسلمانوں میں مشاورت اس کی اصل روح کے ساتھ موجود نہیں ہے جبکہ مغربی اقوام ایک قدم بھی بغیر مشاورت کے نہیں اٹھاتیں۔ رسول اکرم ﷺ کو اللہ نے مسلمانوں سے مشورہ کرنے کا حکم دیا۔ حضور ﷺ

Marfat.com

نے اس حکم ربانی پر اس کی روح کے مطابق عمل کیا اور اسی عمل کو امت میں رائج کیا۔ خلفاء راشدین بھی عوام و خواص کو مشوروں میں شریک کرتے رہتے۔ اس سے نہ صرف افرادِ ملت میں Sence of Participation پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ اجتماعی دانش بھی ابھر کر سامنے آتی ہے۔ مگر آج مشورہ ہی مسلمانوں میں سب سے زیادہ اجنبی چیز بن کر رہ گئی ہے۔ سیرت طیبہ پر عمل کرنے کا تقاضا ہے کہ حکمران حکمرانی میں عوام کی شرکت کو یقینی بنائیں اور اس سلسلے میں سیرت النبی ﷺ سے اصول مشورہ کی راہنمائی کو پیش نظر رکھیں۔

قانون سازی میں اصول تدریج کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ قوم کو پہلے ذہنی طور پر حکم ماننے کے لئے تیار کرنا پھر غلط پختہ عادات کو ختم کرنے کے لئے تدریج کا طریقہ اختیار کرنا بہت بڑی حکمت ہے جو قرآن میں نازل ہوئی اور جناب رسالتماب ﷺ نے اس کو اختیار کر کے دکھایا۔ چنانچہ آج بھی اس اصول کو اپنانے کی اسی طرح ضرورت ہے جس طرح عہد نبوی ﷺ میں ضرورت تھی۔ شدت پسندوں کی طرح تشدد سے مستحباب تک کو منوانا عارضی طور پر تو شاید ممکن ہو مگر مستقل حیثیت تو اسے ہی حاصل ہوتی ہے جو بات بالتدریج دلوں میں اتر جائے اور دماغوں میں گھر کر لے۔

اسوۂ حسنہ اور اصول تیسیر کو جس طرح ڈاکٹر فاروقی نے موضوع بحث بنایا ہے یہ انہی کا حصہ ہے۔ دین جب مذہب بنتا ہے تو اپنے اندر سختیاں لاتا چلا جاتا ہے بالآخر دین کی وسعت کہیں کھو جاتی ہے اور مذہب کی سختیاں ہی سختیاں باقی رہ جاتی ہیں۔ مسلمانوں کے دور زوال میں تقویٰ اور طہارت کے نام پر سختیوں پر زور بڑھتا چلا گیا جس سے دین آسان پر عمل مشکل تر ہوتا چلا گیا۔ اصول تیسیر میں اسوۂ حسنہ سے دین کی اسی وسعت کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے جو دور عروج میں مسلمانوں کی خوبی رہی ہے۔

Marfat.com

کاش آج کے مذہبی راہنما دین مصطفیٰ ﷺ کے اس اصول سے راہنمائی حاصل کر کے لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنے کے راستے اختیار کرلیں۔

اسوۂ حسنہ سے احتساب کا اصول بیان کر کے ڈاکٹر فاروقی نے اس قوم کو سیرت کے ایک نئے پہلو سے روشناس کرایا ہے۔ یہ پہلو اگرچہ کبھی بھی امت کی نظروں سے اوجھل نہیں رہا مگر طاقت ور طبقات نے اس پر عمل میں ہر دور میں رکاوٹیں ضرور کھڑی کیں ہیں۔ آج بھی احتساب کا نام بہت لیا جاتا ہے۔ ادارے بھی وجود میں لائے جا رہے ہیں مگر اس کا جو اثر ظاہر ہونا چاہئے اس کو دیکھنے کے لئے آنکھیں اب تک ترستی ہیں۔ اسوۂ کامل سے احتساب کا اصول لے کر ہم عام آدمی کی زندگی میں آسانی و آسودگی لا سکتے ہیں۔ قوم میں لوٹ کھسوٹ قائم کرنے والوں کی بیخ کنی کر کے قوم کو عروج پر لے جانے کا سامان مہیا کر سکتے ہیں۔

قوم کا فکری ارتقاء اور اس کے نتیجے میں شخصیتوں کی تعمیر آج قوم کی ضرورتوں میں سے سب سے اہم ضرورت ہے۔ ہماری قوم جمود کا شکار ہے۔ قوم میں عقل کے استعمال کا ترک باقاعدہ مذہبی قدر کے طور پر رائج ہے۔ جب کہ کائنات کا سفر ارتقاء کی طرف جاری ہے۔ قوموں کی صف میں وہی قوم مقام بلند پر فائز ہونے میں کامیاب ہوسکتی ہے جس کے سب دماغ اپنی اعلیٰ ترین سطح پر کام کر رہے ہوں اور افکار، ایجادات اور نظریات کی دنیا میں راہنمائی کے منصب پر فائز ہوں۔ ہمارا دورِ عروج اس بات کا گواہ ہے۔

جناب رسالتمآب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے یہی کام تو کیا تھا کہ قوم کے سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے کے عمل کو تیز کر دیا اور اس عمل میں ایسی تیزی پیدا کی کہ مسلم امت ایک ہزار سال تک ساری دنیا سے آگے رہی۔ پھر تاریخی عمل نے ہمارے اندر جمود پیدا

Marfat.com

کر دیا۔ہم پیچھے رہ گئے اور جن قوموں نے اپنی دماغی صلاحیتوں سے کام لیا وہ آگے بڑھ گئیں۔ اس پس منظر میں یونیورسٹی اساتذہ اور طلباء کی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ وہ غور وفکر کے عمل کو آگے بڑھائیں افکارِ عالیہ میں غوطہ زن ہوں۔ بلند فکر اور وسیع نظر پیدا کریں۔ ادنیٰ مفادات کی دنیا کو ترک کر کے اعلیٰ مقاصد کا جہاں آباد کریں۔ اعلیٰ فکر اعلیٰ کردار بھی تخلیق کر دیتی ہے۔ پست فکر اعلیٰ کردار پیدا نہیں کر سکتی۔ آئیے ایک دفعہ پھر تجربہ کریں کہ اسوۂ نبوی اور پیغام رسالت ﷺ کے مطابق اعلیٰ فکر، آپ پیدا کر دیں۔ یہ فکر اعلیٰ کردار خود تراش لے گی۔ بقول اقبال:

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں عشق محمد ﷺ سے اجالا کر دے

میری دعا ہے کہ اسوۂ کامل کا شعور قوم کے اندر پیدا ہو اور وہ پیغام رسالتماب ﷺ کو سمجھ کر دنیا کو سمجھانے کے قابل بن جائے تاکہ دنیا جس شاہراہِ ترقی پر گامزن ہے اس میں شعورِ ذات اور شعورِ خالق کائنات کا صحیح مقام شامل ہو کر اسے پر سکون اور راحت افزاء بنا دے۔

پروفیسر ڈاکٹر سید خواجہ علقمہ

وائس چانسلر

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا خطبہ

حفاظتِ سیرت کا تکوینی پہلو

محترم پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب، پروفیسر ڈاکٹر عبد القدوس صہیب صاحب اور دیگر معزز اساتذہ کرام اور عزیز طلباء و طالبات۔ یہ بات میرے لئے بڑی خوشی اور مسرت کا باعث ہے کہ میں آج اس یونیورسٹی کے طلباء سے سیرت کے موضوع پر گفتگو کر رہا ہوں۔

مجھے ایک جملہ یاد آ رہا ہے جو غالباً آج سے پچاس یا پچپن سال پہلے میں نے سنا تھا۔ ہمارے گھر میں ایک کتاب پڑھی جا رہی تھی جو فضائل قرآن حکیم سے متعلّق تھی۔ مجھے اب پوری طرح یاد نہیں کہ وہ کتاب کس مصنّف کی تھی۔ میرے والد صاحب کی عادت تھی کہ جب دوران مطالعہ کوئی اہم بات سامنے آتی تھی تو وہ اسے زور زور سے پڑھا کرتے تھے تاکہ بچے بھی سن سکیں۔ قرآن حکیم کے بارے میں یہ جملہ لکھا تھا کہ ”لا تنقضی عجائبہ“ (1) ’کتاب اللہ کے عجائبات اتنے وسیع ہیں کہ وہ کبھی ختم ہونے والے نہیں۔

مجھے یاد ہے کہ اس جملہ کو سن کر میری والدہ صاحبہ نے کہا کہ جس طرح قرآن حکیم کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے اسی طرح سیرت طیبہ کے عجائبات بھی کبھی ختم نہ ہوں گے۔ اس لئے کہ کتاب اللہ جس قلب پر نازل ہوئی اس حامل قرآن کی سیرت بھی ایسی ہے کہ ”لا تنقضی عجائبہ“۔ یہ جملہ بچپن ہی سے میرے ذہن میں ہے اور شاید اسی وجہ سے ایک تلاش اور جستجو رہتی ہے کہ ”لا تنقضی عجائبہ“ کہ صاحب قرآن کے عجائبات کبھی ختم ہونے والے نہیں، لہٰذا ان عجائبات سیرت کی تلاش اور جستجو ہمارا کام ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے جیسا کہ ابھی پروفیسر ڈاکٹر عبد القدوس صہیب

Marfat.com

نے کہا کہ سیرت تو اپنانے کے لئے ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم جو کچھ سیرت طیبہ کے بارے میں سنیں، ہمیں چاہیئے کہ ہم اسے اپنی عملی زندگی میں اپنانے کی کوشش کریں۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہماری زندگی کا حصہ بن جائے تو یقیناً ہمارے قلوب کو اس سے حیات تازہ ملے گی اور ہمارے دل منور ہوں گے تو پھر یقیناً ''لا تنقضی عجائبہ'' کی حقیقت ہم پر کھلنے لگے گی۔ آج کا موضوع جس پر میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں وہ سیرت نبوی کی حفاظت ہے۔

حفاظتِ سیرت کے مختلف پہلو:

نبی کریم ﷺ کی سیرت کی حفاظت کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ جب قرآن حکیم محفوظ ہو گیا تو صاحب قرآن کی سنت بھی محفوظ ہو گئی۔ اس لئے کہ صاحب قرآن ہی قرآن حکیم کی عملی تفسیر ہے یعنی قرآن حکیم کی عملی تشکیل ہمیں سیرت طیبہ میں ملتی ہے۔ لہٰذا جب قرآن حکیم محفوظ ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ سیرت طیبہ بھی محفوظ ہے۔ لیکن اس سے ہٹ کر میں اُن پہلوؤں پر گفتگو کرنا چاہوں گا جو میرے خیال میں حفاظت سیرت کے سلسلہ میں بہت اہم ہیں۔

سیرت طیبہ کی حفاظت کے دو پہلوؤں پر تو ہمارے علماء نے بہت کام کیا ہے۔ ایک پہلو کا تعلق تدوینی دور سے ہے اور دوسرے پہلو کا تعلق تصنیفی دور سے ہے۔ سیرت طیبہ کی تدوین کا عمل رسول اللہ ﷺ کی اپنی حیات طیبہ میں شروع ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ کے صحابہ کرام نے سیرت پر تمام مواد اپنے دور میں جمع کر لیا تھا۔ مواد جمع ہو گیا تو پھر اس مواد کی بنیاد پر تصنیف و تالیف کا کام شروع ہوا جو ابتدائی چار صدیوں تک جاری رہا۔ اس کے بعد استیعاب و استقصاء کا دور شروع ہوتا ہے۔

Marfat.com

مختلف شعبوں کے ماہرین نے سیرت طیبہ پر مواد جمع کیا تھا مثلاً سیرت کا کچھ مواد مفسّرین نے جمع کیا، کچھ مورخین نے، کچھ محدثین نے، کچھ ماہرین علم الانساب نے۔ اس طرح سیرت پر متفرق مواد کو جمع کر کے سیرت طیبہ پر ضخیم کتب لکھی گئیں۔

حفاظتِ سیرت کا تکوینی پہلو:

آج میں ایک ایسے پہلو پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں جس پر بہت زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ میری مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو محفوظ کرنے کا ایک تکوینی دور بھی ہے۔

آج کی گفتگو میں صرف حفاظت سیرت کے تکوینی پہلو کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اس تکوینی دور کو سمجھنے کے لئے ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ذات اور آپ کی سیرت کے بعض پہلوؤں کا قدیم کتب میں تذکرہ فرما دیا تھا۔ آپ کا تذکرہ تورات میں بھی ہے اور انجیل میں بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات کے بارے میں جو تذکرہ تورات وانجیل میں اہل کتاب پڑھا کرتے تھے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کی کتابوں میں ایک آخری رسول کا ذکر آتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں آخری رسول کے بارے میں طلب وجستجو، شوق اور خواہش کا پیدا ہونا فطری عمل تھا۔

یہ بات آپ ذہن میں رکھئے کہ جس چیز کا شوق اور دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے اس چیز کے بارے میں معلومات کو انسان دقت نظر سے دیکھتا ہے، اُن کا مطالعہ کرتا ہے۔ آپ ﷺ کی پیدائش کا دور جوں جوں قریب آتا ہے یہ چرچہ عام ہوتا ہے کہ ایک رسول آنے والا ہے! خاتم الانبیاء کے بارے میں پیشگوئیاں پڑھنے والوں کے دلوں میں

Marfat.com

یہ جستجو ضرور پیدا ہوئی تھی کہ وہ کون ہوگا؟ کہاں پیدا ہوگا؟ کس خاندان سے اس کا تعلق ہوگا؟ اس قسم کے سوالات لوگوں کے ذہنوں میں ابھر رہے تھے۔

سمہودی ایک مشہور مصنّف ہیں سیرت پر ان کی بڑی اہم کتاب ہے ''وفاء الوفاء باخبار المصطفیٰ'' سیرت طیبہ کے بارے میں تاریخی حوالوں سے انہوں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:

یمن میں تبع بن اسعد ایک بہت اچھا منتظم حکمران تھا۔ فوجی نقطہ نگاہ سے اُس نے اپنے آپ کو بڑا مضبوط کر لیا تھا۔ جب فوجی اعتبار سے کوئی قوت مضبوط ہو جاتی ہے تو اس کی فتوحات کا دائرہ بھی بڑھ جاتا ہے۔ اس بادشاہ کا دور حضور ﷺ کی پیدائش سے تقریباً سات سو سال پہلے کا ہے۔ جب بادشاہ بنا اور اس کو بہت قوت حاصل ہو گئی تو وہ اپنی فتوحات کا دائرہ بڑھاتا ہوا بہت سے ممالک فتح کرتا ہوا آگے بڑھا اور سرزمین عراق پر بھی قابض ہو گیا۔ عراق میں پہنچا تو یہاں اس نے اہل کتاب سے سنا کہ یہاں اس خطے میں کہیں آخری رسول کی بعثت ہوگی اور آخری رسول کا مقام ہجرت غالباً مدینۃ المنورہ ہوگا جو اس زمانے میں یثرب کہلاتا تھا۔ شاہ یمن جب حجاز میں داخل ہوا اور اس نے مکہ مکرمہ کو فتح کر لیا تو فتح مکہ کے بعد اسے بتایا گیا کہ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی۔ یہاں پر جو کعبہ ہے یہ آخری امت کا کعبہ بھی ہوگا اور آخری رسول بھی اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے، تو اس نے اہل مکہ کا بڑا احترام کیا، ان کے ساتھ اس نے کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ اس نے بڑے احترام کے ساتھ بیت اللہ پر غلاف چڑھایا۔ غالباً شاہ یمن پہلا فرد تھا جس نے بیت اللہ پر غلاف چڑھانے کا آغاز کیا۔

Marfat.com

فتح مکہ کے بعد مدینۃ المنورہ کی طرف روانہ ہوا اور مدینہ منورہ پہنچا تو وہاں بھی بہت سے اہل علم سے ملاقاتیں ہوئیں۔ یہاں بھی اہل کتاب علماء نے آخری رسول کی بعثت کا تذکرہ کیا۔ آخری رسول کا تذکرہ سن سن کر اس کے دل میں ان کی عظمت پیدا ہوگئی اور یہ خواہش شدت سے ابھرنے لگی کہ اگر آخری رسول کی بعثت اس کی زندگی میں ہو جائے تو وہ ان پر ایمان لے آئے گا۔ چنانچہ اس نے مدینہ منورہ فتح کرنے کے بعد وہاں ایک مکان تعمیر کرایا اور مکان تعمیر کرانے کے بعد اس نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ میری زندگی کب تک ہے اور اگر آخری رسول آ جائیں تو یہ مکان صرف اُن کے لئے ہے۔ اُس مکان کی چابیاں بادشاہ نے اہل مدینہ کے ذمہ داروں کے حوالے کیں اور واپس چلا گیا۔

اب آپ واقعہ کا تجزیہ کیجئے اور دیکھئے کہ ایک شخصیت کا عمومی تذکرہ لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ ان کے اندر ایک تلاش ہے، ایک جستجو ہے۔ مدینہ والے دیکھ رہے ہیں کہ خاتم الانبیاء کے لئے تو مکان بھی تیار ہو گیا مکان کی چابیاں بھی یہاں کے سرداروں کو دے دی گئیں۔ یثرب کے سرداروں کو ہدایت کر دی گئی کہ جب آخری رسول آ جائیں تو مکان کی چابیاں ان کے حوالے کر دی جائیں۔ میں ان کا منتظر رہوں گا، اگر وہ میری زندگی میں آ گئے تو میں ان پر ایمان لے آؤں گا اور اگر میری زندگی میں نہ آئیں تو میں کم از کم اتنی خدمت تو کر دوں کہ ان کے لئے مناسب رہائش کا بندوبست کر جاؤں۔ چنانچہ شاہ یمن تو یہ سب کچھ کر کے چلا گیا۔ (2)

اس واقعہ کے سات سو سال بعد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔ سات سو سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا، یہ بڑا طویل عرصہ ہوتا ہے اس عرصے کے اندر بہت سے اتار و

Marfat.com

چڑھاؤ آئے۔ سات صدیوں میں کچھ چیزیں ذہنوں میں اور تاریخ میں تازہ رہیں کچھ چیزیں محو ہو گئیں۔ بہر حال جب حضور ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ ﷺ کی ہجرت کا وقت آیا تو ہجرت کے وقت اس مکان میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی رہائش تھی۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ حضور ﷺ ہجرت کر کے جب تشریف لے گئے تو آپ ﷺ کی اونٹنی اسی گھر پر جا کر ٹھہری تھی، اور آپ ﷺ نے کچھ دن وہاں قیام بھی کیا لیکن آپ ﷺ نے اس مکان میں مستقل رہائش اختیار نہیں کی۔ آپ ﷺ نے وہاں اپنے منصوبہ کے مطابق رہائش و تعمیر کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ آپ ﷺ نے مسجد کے ساتھ متصل اپنی رہائش رکھی۔ میں اس وقت آپ حضرات کی توجہ جس بات کی طرف دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تکوینی طور پر رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی تیاری کی جا رہی تھی۔ لوگ آخری رسول کا تذکرہ کر رہے تھے، تلاش کر رہے تھے کہ آثار ظاہر ہو رہے ہیں کہ ایک آخری رسول ﷺ آنے والے ہیں۔ وہ جب آخری رسول آئیں گے تو ہم ان کی پیروی کریں گے، ان کی اطاعت کریں گے ان کے پیغام کو غور سے سنیں گے، ان کے اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے کا مشاہدہ کریں گے۔ اس طرح جوں جوں بعثت کا وقت قریب آ رہا تھا، آپ ﷺ کی ذات گرامی دلچسپی اور توجہ کا مرکز بنتی جا رہی تھی۔

یہ سب کچھ تکوینی طور پر اس لئے ہو رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ رسول علیہ السلام کی شخصیت کی طرف توجہ مبذول کرا کر آپ ﷺ کی سنت اور عملی زندگی اور آپ ﷺ کے پیغام کو محفوظ کرنا چاہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے صحف سابقہ میں ذکر کر دیا تھا کہ ایک آخری رسول آئیں گے، اُن کی یہ خصوصیات ہوں گی، ان کی شخصیت ایسی ہو گی اور ان کا دور ایسا ہو گا۔ ان کی آمد سے قبل اس قسم کے احوال پیش آئیں گے۔

Marfat.com

عربی زبان کا عروج اور اس کی حفاظت:

ایک اہم چیز جس کا بعثت رسول ﷺ سے قبل فطرت الٰہی کی جانب سے اہتمام کیا گیا وہ یہ تھا کہ وہ زبان جس میں رسول نے انسانوں سے خطاب کرنا تھا، اس زبان کو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی بعثت و پیدائش سے پہلے، دور جاہلیت میں بہت اعلیٰ علمی مقام پر پہنچا دیا تھا۔ عربی زبان علمی طور پر ایک مکمّل زبان بن چکی تھی۔ یہ نہ صرف علمی اعتبار سے مکمّل زبان بن چکی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی اہتمام کیا کہ اس زبان کو بھی محفوظ کر دیا جائے۔ دور جاہلیت کا عرصہ آپ کی پیدائش سے تقریباً سو سال پہلے شروع ہو جاتا ہے۔ اس سو سالہ دور کی زبان بڑی اعلیٰ زبان ہے اور علمی لحاظ سے اس قدر جامع اور مکمّل ہو چکی تھی کہ اب رسول ﷺ اس زبان میں اپنا جو پیغام دیں گے اس میں بھی پوری فصاحت و بلاغت موجود ہو گی، اور آپ کے پیغام کی جامعیت کا اظہار اس کامل و جامع زبان میں ہو سکے گا۔

دور جاہلیت کے ادب پر غور کیجئے آپ کو نظر آئے گا کہ اس دور میں اظہار کے دو اسلوب بہت اہم ہیں۔ ایک دور جاہلیت کی شاعری، اور دوسرے خطابت ہے۔ جاہلیت کے خطباء کی بڑی شہرت ہے۔ ہمارے ہاں بھی بڑے بڑے خطباء ہوتے ہیں آپ کا شہر ملتان تو بڑا مشہور رہا ہے۔ حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو کون نہیں جانتا اور شاہ صاحب کا جو دور تھا وہ خطابت کا دور تھا۔ جب وہ تقریر کیا کرتے تھے تو ان کی تقریر کا انداز بڑا مؤثر ہوتا تھا، گفتگو بہت پر کشش ہوتی تھی۔ اسی طرح دور جاہلیت میں بڑے بڑے خطباء ہوتے تھے اور ان کا خطاب بڑا سحر انگیز ہوتا تھا۔ وہ زبان میں الفاظ کے انتخاب میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور فنی لحاظ سے ان کے خطبات فصاحت و بلاغت کا خوبصورت نمونہ ہوتے تھے، ابلاغ کی صلاحیت کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔

Marfat.com

ایک اور اہتمام اللہ تعالیٰ نے تکوینی دور میں یہ کیا کہ دور جاہلیت کی شاعری کی صنف کو بھی محفوظ کر دیا اور دور جاہلیت کے نثر کی صنف کو بھی خطبات کی شکل میں محفوظ کر دیا۔ یہ دونوں کے دونوں ادبی شہ پاروں کی صورت میں آج ہمارے پاس موجود ہیں، عہد جاہلیت کے شاعروں اور خطیبوں کا کلام آج ہمارے ہاں محفوظ ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ نے یہ اہتمام بھی فرما دیا کہ ہمارے روایتی علماء قرآن وسنت اور فقہ کے علاوہ کچھ اور پڑھائیں نہ پڑھائیں دور جاہلیت کا کلام ضرور پڑھا لیتے ہیں۔

برصغیر کے تمام مدارس کے اندر آپ کو نظر آئے گا کہ دینی مدارس کے اساتذہ دور جاہلیت کے کلام کو ذوق شوق سے پڑھاتے ہیں، اس لئے کہ قرآن حکیم اسی فصیح و بلیغ زبان میں نازل ہوا۔ جاہلی عربی ادب کی اس اہمیت کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ: ''عربی زبان کو سیکھو کیونکہ یہ تمارے دین کا حصہ ہے۔'' (3) اللہ تعالیٰ نے شاعری کو بھی محفوظ فرما دیا اور ان کے خطبات کو بھی۔ ان کے کلام میں بڑی حکمت اور دانائی کی باتیں بھی ہیں اور ان کو اس طرح محفوظ کیا کہ ہر دینی مدرسے کے اندر اس قدیم عربی زبان کو پڑھانا اور علم البیان اور بلاغتِ زبان کو پڑھانا اُن کے نصاب تعلیم کا ایک لازمی حصہ ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے قدیم عربی ادب کی دونوں صنفوں کو محفوظ کر دیا، یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ وہ زبان جس میں آخری رسول نے دنیا بھر کے لوگوں کو پیغام دینا تھا وہ زبان علمی اور ادبی لحاظ سے اس قابل ہو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و اعمال کو اپنے دامن میں محفوظ کر لے اور پھر اس پیغام کو محفوظ حالت میں ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل کرتی رہے۔

Marfat.com

مضبوط قوت حافظہ:

شعر و ادب اور علم و حکمت کی حفاظت کے لئے مضبوط قوت حافظہ بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک انعام بھی تھا اور ایک تکوینی اہتمام بھی تھا۔ یہ انعام اللہ تعالیٰ نے دور رسالت کے زمانہ کے لوگوں کو عطا فرمایا تھا۔ اسے اس طرح سمجھ لیجئے کہ ہمارے آج کے دور میں ایک کلاس کے اندر اگر پچاس طلباء ہوں تو ان پچاس طلباء کے اندر کچھ کمزور یادداشت رکھنے والے ہوں گے، بہت سے درمیانہ درجہ کے ہوں گے اور کچھ زیادہ ذہین ہوں گے۔ پچاس میں سے ایک دو ہی بہت زیادہ ذہین (Extra ordinary) ہوں گے۔ بیک وقت بہت زیادہ ذہین لوگ نہیں ہوں گے۔ لیکن دور جاہلیت کا آپ مطالعہ کیجئے اور خاص طور پر وہ دور جب رسالت مآب ﷺ کی پیدائش کا وقت قریب تھا تو اس وقت صورت حال آج سے بالکل مختلف تھی کہ اکثریت بہت زیادہ ذہین (Extra ordinary) لوگوں سے شروع ہوتی ہے۔ وہ بے پناہ مضبوط قوت حافظہ، بہت اچھی یادداشت (کمپیوٹرائزڈ میموری) کے مالک تھے۔ انہوں نے دور جاہلیت کی ساری شاعری کو ان کے خطبات کو محفوظ کیا ہوا تھا۔ وہ جو کچھ سنتے تھے اسے بعینہٖ اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیتے تھے، اور پھر بعینہٖ سننے کے بعد اسی طرح نقل بھی کیا کرتے تھے۔ سنے ہوئے کلام یا بیان کو من و عن نقل کر دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔

اگر آپ دور جالیت کی تاریخ کا مطالعہ فرمائیں تو وہاں واضح اکثریت ان لوگوں کی نظر آئے گی کہ پچاس افراد میں سے تقریباً پینتالیس افراد غیر معمولی ذہانت کے مالک (Extra ordinary) لوگ ہوں گے، وہ جو کچھ سنتے ہیں بڑی آسانی کے

Marfat.com

ساتھ محفوظ کر لیتے ہیں۔ یہ سارا معاملہ اس لئے وقوع پذیر ہو رہا تھا کہ ایک قادر مطلق کی فطرت تکوینی طور پر یہ اہتمام اس لئے کر رہی تھی کہ ایک آخری رسول دنیا میں آنے والے ہیں۔ ان کی زندگی اور اقوال و افعال کی حفاظت انہی لوگوں نے کرنی ہے۔ عہد رسالت تک یادداشت کا یہ سلسلہ اسی طرح چلتا ہے اور نبی کریم ﷺ کا جب زمانہ آتا ہے تو اس زمانے میں یہی قوی الحافظہ لوگ موجود تھے۔ زمانہ جاہلیت کے کلام کو محفوظ کرنے میں جو ان کی دلچسپی تھی وہ محض زبان و ادب سے تھی۔ اب رسول ﷺ جب تشریف لے آئے ہیں یہاں ان سے قلبی تعلق، ان سے محبّت، ان سے عقیدت، یہ ساری چیزیں ایسی ہیں کہ اب وہ رسول اللہ ﷺ کی ایک ایک حرکت کو وہ بڑے غور سے بڑی دلچسپی سے دیکھتے ہیں، ایک لفظ بھی جو رسول اللہ ﷺ کے منہ سے نکلتا ہے، ان کے لئے وہ ہیرے جواہرات سے زیادہ قیمتی ہے، اس لئے آپ ﷺ کے ہر لفظ کو اور ہر عمل کو صحابہ کرام محفوظ کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے آپ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے لئے ہزاروں، لاکھوں افراد ایسے پیدا کر دیئے تھے جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے سارے اعمال و افعال کو محفوظ کر لیں۔

علم الانساب:

تیسری چیز جس کا فطرت الٰہیہ نے اہتمام کیا وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی بعثت سے کچھ عرصہ قبل پچاس، ساٹھ یا سو سال پہلے کا ایسا ہی عرصہ تھا کہ ایک مضمون جو بطور علم بڑے عروج کو پہنچ گیا تھا وہ علم الانساب تھا۔ علم الانساب کی عربوں میں بڑی اہمیت تھی جو لوگ علم الانساب کے ماہر تھے وہ اپنے دور کے قبائلی حالات، واقعات، لوگوں کے آباؤ اجداد، ننھیال و ددھیال کے نسب، ان کی نفسیات اور تاریخ

Marfat.com

سے پوری طرح واقف ہوتے تھے۔ آپ کسی کا نام سامنے رکھئے علم الانساب کا ماہر اس فرد کے قبیلے کی ساری معلومات سامنے رکھ دے گا۔ ان کا سارا قبائلی و معاشرتی و معاشی پس منظر، ان کے سیاسی حالات، خاندانی خصوصیات اور کارنامے، دیگر قبائل کے ساتھ تعلّقات، باہمی جنگ و جدل وغیرہ ساری معلومات انہیں مستحضر ہوتی تھیں۔

ماہرین علم الانساب صرف آزاد قبائل ہی کے بارے میں تفصیلی معلومات نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کے غلاموں اور ان کے جانوروں کے بارے میں بھی حیران کن معلومات رکھتے تھے۔ علم الانساب کے ارتقاء کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے جب نبوت کا اعلان فرمایا تو اس وقت اہل عرب کو بنو ہاشم کے نسب، قبیلہ، خاندان، دیگر قبائل کے ساتھ معاشرتی، معاشی اور سیاسی تعلّقات وغیرہ ہر چیز کا علم تھا۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ محمد بن عبداللہ کا خاندان کیا ہے؟ آپ اوپر حضرت ابراہیمؑ تک چلے جائیں وہ آپ ﷺ کے تمام آباؤ اجداد کے حالات سے واقف تھے۔ نہ صرف بنو ہاشم کی تاریخ سے وہ واقف تھے، وہ آپ کی امہات سے بھی واقف تھے، نانیوں، دادیوں، پھوپھیوں سے وہ واقف تھے، رضاعی ماں کے خاندان کے شجرہ نسب اور حالات سے بھی واقف تھے، بلکہ جزیرۃ العرب کے جغرافیہ کے بھی واقف تھے۔ ساری تاریخ کی حفاظت کا یہ اہتمام ایسا لگتا ہے اس لئے کیا گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی مکمل تاریخ ہر طرح سے محفوظ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف رسول اللہ ﷺ کے قبیلہ بنو ہاشم ہی کی تاریخ نسب اور حالات کی حفاظت نہیں فرمائی بلکہ بنو ہاشم نے جن قبائل کے ساتھ معاملات طے کئے یا جن کے ساتھ جنگیں ہوئیں یا جن کے ساتھ معاہدات ہوئے سب کچھ محفوظ کر دیا۔

Marfat.com

علم الانساب میں غور فرمائیے آپ کو علم ہو جائے گا کہ اس علم کو جاننے کا مطلب یہ ہے کہ اس علم کے ماہرین کے لئے لوگوں کی نفسیات سے واقفیت بھی بہت ضروری ہے اور عربوں کو اتنی مہارت حاصل تھی کہ انسانوں ہی کے نہیں بلکہ جانوروں کے انساب سے بھی وہ واقف ہوتے تھے اور ان کے حالات اور طور طریقوں سے بھی وہ واقف ہوتے تھے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں جو لوگ آپ کی نبوت پر ایمان لائے ان میں آپ کو بے شمار لوگ مل جائیں گے جو ماہرین انساب ہیں اُن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک نمایاں ماہر علم الانساب تھے۔ اس علم میں مہارت کا بڑا فائدہ ہوتا تھا کہ جو لوگ ماہرین انساب ہوتے ہیں انہیں اقوام عالم کے ساتھ مذاکرات کرنے میں بڑی سہولت ہوتی ہے اس لئے کہ انہیں پتہ ہوتا ہے کہ وہ کس قسم کے لوگ ہیں، اور یہ کہ وہ کن لوگوں سے بات کر رہے ہیں۔ وہ نہ صرف اقوام کو سمجھتے ہیں بلکہ ان کے آباؤ اجداد کو اور ان کے کردار و خصوصیات سے بھی واقف ہوتے ہیں۔ یہ مہارت ان کے لئے قبائل میں باہمی مذاکرات، تعلّقات اور معاہدات طے کرنے میں بہت مفید ثابت ہوتی تھی۔ اس لئے کہ وہ ان کی تہذیب، تمدن اور روایات کو خوب جانتے تھے۔ علم الانساب بڑا وسیع علم تھا اور بہت سائنٹیفک علم تھا۔ دور جاہلیت کے لوگ اس میں دلچسپی رکھا کرتے تھے۔ حضور ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد یہ دلچسپی نہ ختم ہوئی نہ آپ نے اس سے منع فرمایا بلکہ علم الانساب کو بطور علم حاصل کرنے پر زور دیا۔

علم قیافہ:

ایک چیز اور بھی ہمیں نظر آتی ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ کی پیدائش کا وقت جوں جوں قریب آتا جا رہا تھا ایک اور فن عروج کو پہنچتا نظر آ رہا تھا۔ علم الانساب تو عروج کو

Marfat.com

پہنچ ہی چکا تھا، اس کے ساتھ ایک اور علم بھی بہت عروج کو پہنچ رہا تھا وہ علم قیافہ تھا۔ یہ اہتمام بھی تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ علم قیافہ کو اللہ تعالیٰ نے عروج پر اس لئے پہنچا دیا کہ جب آخری رسول تشریف لائیں تو لوگوں کو انہیں پہچاننے میں دقت نہ ہو، وہ آسانی کے ساتھ اللہ کے رسول کو پہچان لیں کہ یہی وہ آخری رسول ہیں جن کا تذکرہ قدیم آسمانی کتابوں میں پڑھتے چلے آ رہے تھے۔ وہ علم قیافہ میں اتنے ماہر ہوتے تھے کہ اگر ایک اونٹنی بھی کسی راستہ سے گزر جائے تو وہ نشان قدم دیکھ کر بتا سکتے تھے کہ یہ کس قبیلے کی اونٹنی ہے اور کون سوار یہاں سے گزرا ہے۔ وہ انسانوں اور جانوروں دونوں کے چہرہ، رنگ، آنکھیں، قدم وغیرہ دیکھ کر ان کے بارے میں بہت کچھ جان لیا کرتے تھے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ کسی شخص نے جو بہت ماہر قیافہ تھا اُس نے حضور ﷺ کے پاؤں کو دیکھا تو دیکھتے ہی اس نے یہ کہا تھا کہ یہ قدم مبارک تو مقام ابراہیمی میں محفوظ قدم سے مشابہت رکھتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا قدم اس سے ملتا جلتا ہے۔ قیافہ شناس نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص حضرت ابراہیمؑ ہی کی نسل کا فرد ہے۔

علم قیافہ میں صرف قدم کے ذریعہ ہی نہیں پہچانا جاتا تھا بلکہ انسانی جسم کے علاوہ بھی بے شمار آثار ہوتے تھے جن سے انہیں حقائق جاننے میں مدد ملتی تھی۔ حتیٰ کہ اونٹنی کی مینگنیوں کو دیکھ کر بھی وہ اندازہ کر لیتے تھے کہ یہ کس قبیلے اور کس نسل کی اونٹنی ہے۔ جوں جوں رسول ﷺ کے آنے کا دور قریب آ رہا ہے اور جوں جوں بعثت کا وقت قریب آتا جا رہا ہے اس فن میں مہارت رکھنے والے لوگ اپنی مہارت سے انہیں

Marfat.com

پہچاننے کی کوشش کر رہے ہیں کہ یہ وہی رسول ہیں جن کی علامات اور تذکرے سابقہ صحف میں وہ پڑھتے چلے آ رہے ہیں۔

اب دیکھئے کسی کے پاس حیل وحجت باقی نہیں رہے گی، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے معلوم نہیں یا مجھے پتہ نہیں چل سکا، بلکہ ہر شخص کو پتہ چل جانا چاہئے کہ اب اللہ کے آخری رسول تشریف لے آئے ہیں۔ آپ ﷺ کی رسالت کی دلیل صرف اللہ کی وحی ہی نہیں ہے بلکہ بہت سے ایسے آثار نمایاں ہو چکے ہیں جو زمانہ بعثت پر دلالت کرتے ہیں۔ ان واضح آثار کی روشنی میں سب کو پتہ چل جانا چاہئے کہ یہ رسول اکرم ﷺ کا دور ہے۔ یہ خاتم المرسلین کے عہد کا آغاز ہے۔

قبل از پیدائش معجزات کا ظہور:

آپ ﷺ کی پیدائش سے قبل بعض معجزات کا ظہور بھی قدرت کی طرف تکوینی اہتمام تھا تا کہ لوگوں کی توجہ اس بات کی طرف ہو جائے کہ کوئی اہم واقعہ پیش آنے والا ہے جس کے لئے فطرت خصوصی اہتمام کر رہی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کا دور بالکل قریب آ گیا اور ابھی رسول اللہ ﷺ بطن مادر میں ہی تھے، ابھی ولادت نہیں ہوئی تھی کہ ایسے واقعات پیش آئے جو خارق عادت تھے، مثلاً حضرت سلمان فارسی کا واقعہ، عبدالمطلب کا خواب، اصحاب فیل کا واقعہ وغیرہ یا وہ تجربات جو آپ ﷺ کے والدین بالخصوص حضرت آمنہؓ کو دوران حمل پیش آئے یا جو باتیں انہیں محسوس ہوتی رہیں اور جن کا تذکرہ وہ کرتی رہیں۔ اس تذکرے نے بھی لوگوں کو متنبّہ کیا کہ آنے والا فرد کوئی بہت ہی غیر معمولی انسان ہے۔ حضور ﷺ کی جب پیدائش ہوتی ہے تو پیدائش کے موقع پر خود حضرت آمنہؓ نے ذکر کیا کہ: ''مجھے ایسا محسوس

Marfat.com

ہوا کہ میرے بطن سے ایک ایسی روشنی نکلی ہے جس سے سلطنت روما کے محل بھی جگمگا اٹھے۔'' (4) اہل کتاب اچھی طرح سمجھتے تھے کہ رسول آخرالزمان کی بعثت کا وقت قریب آ گیا ہے، وہ دعائیں کیا کرتے تھے کہ ''اللھم ابعث لنا ھذا النبی یحکم بیننا و بین الناس''. (5) ''اے اللہ اس آخری رسول کو ہماری رہنمائی کے لئے بھیج دے جو ہمارے اور لوگوں کے مابین فیصلے فرمائے''۔

رضاعی والدہ کے گھر:

یہ سارے کے سارے وہ واقعات و تجربات ہیں جو تکوینی طور پر وقوع پذیر ہو رہے تھے۔ یہ واقعات ایک تنبیہ کے طور پر لوگوں کے سامنے آ رہے تھے کہ لوگ سمجھ جائیں کہ یہ آنے والا فرد کوئی معمولی انسان نہیں ہے۔ یہ بات سب کو محسوس کر لینا چاہئے کہ جس رسول کی آمد کا اہتمام ہو رہا ہے اب ہر طرف اسی کا چرچہ ہے۔ لوگوں کی زبانوں پر اس کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ جب نبی کریم ﷺ کی پیدائش ہوتی ہے تو اس طرح کہ والد دنیا میں نہیں ہیں، والدہ موجود ہیں، بیٹا یتیم ہے۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق اس بچہ کی پرورش بھی دیہی علاقہ کی صاف شفاف فضاء میں ہونا تھی۔ دیہی علاقوں میں اس لئے پرورش ہوتی تھی کہ اس زمانے کے دیہات آج کے زمانے جیسے نہیں ہوتے تھے کہ جہاں زبان و گفتگو کا معیار غیر علمی اور غیر ادبی ہوتا ہے۔ آج ہمارے شہروں میں ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری زبان بہتر ہو جائے گی اور دیہاتوں میں ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری زبان بھی خراب ہو جائے گی اور ہم غیر مہذب ہو جائیں گے۔ لیکن اس زمانے میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ شہر کی بہ نسبت دیہات کی آب و ہوا بھی صاف ستھری ہوتی تھی اور زبان و کلام کا معیار بھی بہتر ہوتا تھا۔ بچے صحت مند فضاء میں معیاری و ادبی

Marfat.com

زبان سیکھتے تھے۔ غور کیجئے یہ بھی ایک علمی سفر ہے جو پیدائش کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ یہ سفر اگرچہ کسی اور نام سے ہے لیکن حقیقت میں یہ تعلیمی سفر ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رسول اللہ ﷺ کو آ کر لے جاتی ہیں۔ یہ وہ بچہ ہے جسے سب سے آخر میں حضرت حلیمہ نے لیا، اس لئے کہ اس بچہ کی طرف دیہات سے آنے والی دایاؤں کی توجہ نہیں تھی، کیونکہ یہ بچہ یتیم تھا، اس وجہ سے اچھا معاوضہ ملنے کی امید کم تھی۔ بہرحال جب انہیں دولت مند گھرانوں کا بچہ نہیں ملا تو وہ اس یتیم بچہ محمد ﷺ کو اپنے ساتھ لے جاتی ہیں اور ان کی دیکھ بھال اور تربیت کرتی ہیں۔ حلیمہ سعدیہ نبی کریم ﷺ کو لانے کے بعد جو برکتیں محسوس کرتی ہیں وہ بہت غیر معمولی ہیں۔ ان برکات کی وجہ سے بچے کے ساتھ محبّت اور تعلّق بھی بہت گہرا پیدا ہو رہا ہے۔ حضرت حلیمہ کے گھر والے مشاہدہ کر رہے ہیں کہ جب سے یہ بچہ ان کے گھر آیا ہے اس وقت سے ان کے گھر کی برکتیں بہت بڑھ گئی ہیں۔

شق صدر کا واقعہ:

اگر ہم سیرت طیبہ کا بغور مطالعہ کریں تو مدت رضاعت ختم ہونے پر بھی آپ ﷺ کی رضاعی والدہ کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس بچے کو واپس عبدالمطلب کے گھر بھیج دیں۔ لیکن اسے ایک حادثہ کہہ لیجئے، کہ ایک واقعہ ایسا پیش آتا ہے کہ حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر دونوں بہت پریشان ہوتے ہیں سوچتے ہیں کہ اس بچے کو واپس لے جائیں، کہیں کوئی ایسا حادثہ پیش نہ آجائے کہ یہ بچہ ہی ضائع ہو جائے۔ واقعہ یوں پیش آیا کہ بچپن میں محمد بن عبداللہ بچوں کے ساتھ باہر کھیل رہے تھے کہ دو افراد آتے ہیں اور آ کر محمد ﷺ کو لٹا کر آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کرتے ہیں اس کے بعد پورا ایک آپریشن ہوتا ہے۔ شق صدر کا یہ پہلا واقعہ پیش آتا ہے اور پھر آپ ﷺ کے قلب کو آب زم زم سے اور ان چیزوں سے جو وہ جنت سے ساتھ لے کر آئے تھے دھوتے ہیں۔

Marfat.com

محدثین لکھتے ہیں کہ وہ ملائکہ محمد ﷺ کے قلب سے ایک چیز نکال کر پھینک دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ شیطان کا حصہ ہے جو نکال دیا۔ پھر وہ دل کو اندر رکھتے ہیں وہ قلب کو سیتے ہیں۔ جو بچے ان کے ساتھ کھیلنے کے لئے آئے تھے پریشان ہو کر بھاگ جاتے ہیں اور گھر جا کر سارے واقعہ کی تفصیل بتاتے ہیں کہ کچھ اجنبی لوگوں نے محمد ﷺ کو ذبح کر دیا ہے۔ (6) حضرت حلیمہ سعدیہ اور ان کے شوہر پریشان ہو کر بھاگ کر آتے ہیں وہ دیکھتے ہیں کہ بچے کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں اور وہ پریشان کھڑا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا ہوا تو محمد ﷺ نے پورا واقعہ جس طرح پیش آیا تھا بتا دیا۔ حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر نے سوچا کہ شاید کوئی جن ہے یا کوئی آسیب کی قسم کی کوئی قوت ہے۔ جیسے ہمارے ہاں لوگ توہم پرستی میں بہت جلد مبتلا ہو جاتے ہیں۔ عربوں میں بھی قبل از بعثت توہم پرستی تھی، انہوں نے بچے کو اٹھا کر اس کے سینے کو دیکھا تو صاف معلوم ہوتا تھا کہ سینہ چاک کیا گیا ہے۔ یہ دونوں بہت گھبرائے، بچے کو واپس گھر لے آئے۔ دونوں سوچتے ہیں کہ ہمارے پاس رہتے ہوئے پھر نہ ایسا واقعہ پیش آ جائے تو کیوں نہ ہم اس بچے کو جو ہمارے پاس امانت ہے، واپس کر آئیں۔ چنانچہ وہ بچے کو واپس کرنے کے ارادے سے مکہ مکرمہ لے کر آتے ہیں۔ حضرت آمنہ ؓ سمجھ جاتی ہیں کہ یہ اتنی جلدی واپس کیوں لے آئے ہیں، وہ اصرار کرتی ہیں اور پوچھتی ہیں کہ کیا ہوا؟ آپ ؓ کے اصرار پر انہوں نے تفصیل سے واقعہ سنایا۔ آپ ؓ نے فرمایا کہ اس بچے کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا کیونکہ میں اس بچے کی برکتوں کا مشاہدہ دوران حمل اور پیدائش کے وقت کر چکی ہوں۔ لہٰذا تم اسے واپس لے جاؤ یہ بچہ ہر قسم کے جنوں، شیطانوں کے اثر سے محفوظ ہے۔ (7)

شق صدر کا واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ اس واقعہ کے بعد لوگوں کی توجہ

Marfat.com

اس غیر معمولی بچہ کی طرف بہت بڑھ گئی ہے۔ لوگ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ وہی بچہ ہے جس کے ساتھ یہ اہم واقعہ پیش آیا ہے۔ اس طرح ایک نئی قسم کی نفسیات کے ساتھ نئی تاریخ وجود میں آ رہی تھی۔ بعثت کے وقت بچپن میں شق صدر کا مشاہدہ کرنے والے جو جوان یا بوڑھے لوگ تھے وہ تو شاید بعثت کے وقت زندہ نہ ہوں لیکن جو بچے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھیلا کرتے تھے، یا جو کم عمر ہوں گے اور بعثت کے وقت تک زندہ ہوں گے ان کے ذہنوں میں اس واقعہ کی یاد یقیناً تازہ ہوگی۔ اس اہم واقعہ کا تذکرہ اس وقت لوگوں کی زبانوں پر ہوگا۔ ان سارے واقعات کو جمع کر کے غور کیجئے آپ کو محسوس ہوگا کہ فطرت کی جانب سے تکوینی طور پر ایک اہتمام کیا جا رہا ہے کہ سب لوگ ایک ایسے شخص کی طرف متوجہ ہو جائیں جو تمام دنیا کی فلاح و بہبود کے لئے پیغام لانے والا ہے اور وہ کوئی معمولی شخصیت نہیں ہے، یہ ایک عالمگیر اور دائمی فلاح و سعادت کا پیغام لانے والا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے ساتھ شق صدر کے واقعے کئی مرتبہ پیش آئے دو کے بارے میں زیادہ تر مفسّرین اتفاق کرتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ تین مرتبہ پیش آیا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ واقعہ چار مرتبہ پیش آیا ہے۔ دوسرا واقعہ دس سال کی عمر میں اور تیسرا نبوت سے کچھ عرصہ پہلے، اور چوتھا اس وقت پیش آیا جب آپ ﷺ معراج کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔

شق صدر سے مقصود تزکیہ نفس ہے:

رسول ﷺ کے فرائض میں یہ شامل تھا کہ آپ لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیں، دلوں کا تزکیہ فرمائیں۔ یہ کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا کہ جس کا اپنا قلب

Marfat.com

پاکیزہ ومنور نہ ہو۔ قلب کی پاکیزگی بہت ضروری ہے، خاص طور پر وہ قلب جس پر نزول وحی ہونا تھا، لہٰذا اس قلب کو اس قدر مضبوط اور اتنا منور ہونا ہی چاہئے کہ وہ وحی الٰہی کا تحمل کر سکے۔ وہ وحی الٰہی جسے پہاڑ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ نبی کریم ﷺ کا قلب ہی تھا جو اس قدر منور و پاکیزہ ہو چکا تھا کہ اس نے مکمّل وحی کو نہ صرف برداشت کیا بلکہ محفوظ بھی کیا۔ وحی کا علم قلب رسول میں بھی محفوظ ہوا، اور ذہن و دماغ میں بھی محفوظ ہوا۔ پھر اس محفوظ علم کو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام میں منتقل کیا۔

شق صدر کے سارے واقعات، چاہے ہم دو کو تسلیم کریں یا چاروں کو، لیکن ان سب کے مواقع بہت اہم ہیں۔ واقعہ معراج کا بغور مطالعہ کیجئے، (8) آپ لوگ خود محسوس کریں گے کہ جب اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول دنیا سے اٹھا کر اس بلند مقام تک لے جایا جائے گا جہاں تک مقرب فرشتوں کا پہنچنا بھی مشکل ہے، جہاں اللہ تعالیٰ کی تجلّیات کا کثرت سے ظہور ہوتا ہے، تو اس بلندترین مقام تک پہنچنے کے لئے آپ ﷺ کے قلب کو اتنا پاک صاف روشن اور مضبوط کرنا ضروری تھا کہ آپ ﷺ وہاں جا سکیں اور وہاں کی تجلّیات کو برداشت کر سکیں۔

حفاظتِ سیرت کے تین طریقے:

دور جاہلیت کی شاعری تو محض لوگوں کے دماغ میں محفوظ ہوتی تھی اسی طرح اس دور کے خطبات بھی دماغ میں محفوظ ہوتے تھے لیکن سیرت طیبہ کو اللہ تعالیٰ نے تین طرح محفوظ کیا۔ سیرت کو دلوں اور ذہنوں میں بھی محفوظ فرمایا، تحریر اور کتابی شکل میں بھی محفوظ کیا اور لوگوں کی عملی زندگی میں بھی محفوظ کر دیا۔ اہل ایمان سیرت کو اپنایا کرتے تھے۔ یہ لوگوں کی عملی زندگی کا حصہ بن جاتی تھی اور بے شمار صحابہ کرامؓ چلتا پھرتا قرآن

Marfat.com

بھی تھے اور سیرت طیبہ کا نمونہ بھی تھے۔ سیرت رسول ایسی چیز تھی جس کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کے عجائبات کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ سیرت طیبہ علم الٰہی کا وہ عملی نمونہ ہے جس کی حفاظت کا اہتمام اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر فرما دیا تھا۔

صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے ہر ہر عمل کا کس قدر شوق اور جذبہ کے ساتھ مشاہدہ کیا کرتے تھے، اس کا آج اندازہ لگانا مشکل کام ہے۔ لیکن یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے کہ یہ صحابہ کرام کا ولولہ اور شوق ہی تھا جس نے آپ ﷺ کی ایک ایک حرکت کو محفوظ کیا۔ خود رسول اللہ ﷺ کی بھی یہ خواہش ہوتی تھی کہ علم الٰہی جو رسول علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی عملی زندگی میں ڈھل کر سیرت طیبہ کی صورت میں تشکیل پا رہا ہے وہ اسی طرح صحابہ کرامؓ کی عملی زندگی میں منتقل ہو جائے۔ اس کے لئے آپ ﷺ اپنے صحابہ کی تعلیم و تربیت کا ایسا اسلوب اختیار فرماتے تھے جو بہت مؤثر ہو۔ نبی کریم ﷺ لوگوں کی نفسیات کو بھی سمجھتے تھے اس لئے آپ ﷺ وقت اور لوگوں کے مزاج کے مطابق گفتگو کا ایسا انداز اپناتے تھے کہ آپ کی بات کو سن کر محفوظ کر لیں اور اس بات کی اہمیت و افادیت کو سمجھ جائیں مثلاً نبی کریم ﷺ ایک دفعہ بیت اللہ کا طواف فرما رہے تھے، صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے ساتھ تھے اپنے رسول علیہ السّلام کے عمل کو بغور دیکھ رہے تھے، انہیں معلوم تھا کہ رسول علیہ السّلام اپنے عمل کے ذریعہ سنت قائم فرما رہے ہیں، وہ رسول ﷺ کی چھوٹی سے چھوٹی بات کا بھی عقیدت و محبّت اور جذبہ ایمان کے ساتھ مشاہدہ کرتے ہیں۔

آپ ﷺ طواف کے دوران بیت اللہ کے اوپر نظر ڈالتے ہیں اور بیت اللہ کی عظمت بیان کرتے ہیں، کہ اے بیت اللہ تیری بڑی عظمت ہے، تو بہت مقدس ہے، ہمارے دلوں میں تیرا بڑا احترام ہے۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد آپ ﷺ یہ الفاظ فرماتے ہیں کہ: ”خدا کی قسم کہ ایک مومن کی جان، مال، عزت و آبرو تجھ سے بھی

Marfat.com

زیادہ مقدس ہے۔'' تعلیم و تربیت کے اس اسلوب پر غور کیجئے، کیا اس انداز میں کی گئی بات کوئی بھول سکتا ہے؟ لوگوں نے اس کو اس طرح محفوظ کیا اب جو صحابی بیان کر رہا ہے وہ اس طرح بیان کر رہا ہے کہ اس نے حضور ﷺ کی ساری حرکت کو دیکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ: میں رسول ﷺ کے ساتھ طواف کے وقت موجود تھا، آپ ﷺ نے اس طرح بیت اللہ پر نظر ڈالی پھر یہ بات کہی اور وہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے ساتھ اس پورے واقعے کو نقل کر رہا ہے۔ اسی سے آپ اندازہ کر لیجئے کہ صحابہ کرامؓ کس قدر گہرائی کے ساتھ مشاہدہ کرتے تھے اور مشاہدہ کرنے کے بعد آپ ﷺ کی بات دوسروں تک منتقل بھی کرتے تھے۔ کچھ لکھنے والے دور رسالت ہی میں ان مشاہدات اور اقوال کو لکھا بھی کرتے تھے۔

سیرت، حدیث اور علم جغرافیہ:

ایک زمانہ وہ تھا کہ سیرت اور حدیث ملے جلے ساتھ ساتھ تھے سیرت حدیث کی شکل میں محفوظ ہو رہی ہے تو حدیث سیرت کے ذریعے محفوظ ہو رہی ہے۔ جو لوگ حدیث اور روایات کو محفوظ کرنے والے ہیں حقیقت میں وہی سیرت کو بھی محفوظ کر رہے ہیں۔ سیرت کو محفوظ کرنے میں بہت سے جاں نثار لوگوں کا کردار ہے۔ ماہرین جغرافیہ نے جزیرۃ العرب کا سارا جغرافیہ تفصیل کے ساتھ بتایا ہے۔ جغرافیہ محفوظ ہونے کی وجہ سے ہمیں معلوم ہے کہ کہاں رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے تھے۔ حلیمہ سعدیہ کا قبیلہ کس علاقہ میں رہائش پذیر تھا۔ شق صدر کا واقعہ کہاں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے بعثت سے قبل کن کن علاقوں کا سفر کیا، اور بعثت کے بعد کون کون سے سفر کئے۔ عرب کا جغرافیہ محفوظ ہونے کی وجہ سے ان تمام واقعات اور اسفار کا نقشہ سارے کا سارا ہمارے سامنے آ جاتا ہے۔ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین سب ہی ان واقعات کو محفوظ کرتے نظر آتے ہیں۔

Marfat.com

علم تاریخ اور قصہ گوئی:

اللہ تعالیٰ نے تاریخ سے دلچسپی کا ذوق بھی اہل عرب کو عطا فرمایا تھا۔ تاریخ سے دلچسپی دور جاہلیت میں بھی تھی اور عہد رسالت میں بھی تھی۔ بعد کے ادوار میں بھی اس کی اہمیت کبھی کم نہیں ہوئی۔ عربوں کے ذوق تاریخ نے بھی سیرت طیبہ کی حفاظت میں اہم کردار ادا کیا۔

قصہ گوئی اگرچہ تعلیم و تادیب کا ایک تفریحی ذریعہ ہے، لیکن ان قصص میں معاشرتی روایات کی جھلک نظر آتی ہے۔ چنانچہ قصہ کہانی کی روایت کو بھی عربوں نے محفوظ رکھا۔ نبی کریم ﷺ نے بھی اپنی بیویوں کو قصے کہانیاں سنائیں۔ عربوں نے اپنی روایت کے مطابق قصہ گو حضرات کے بارے میں بھی بہت کچھ محفوظ رکھا۔ ان تمام چیزوں سے اس دور کی نفسیات، معاشرہ اور تاریخ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ میں نے شروع میں علم الانساب پر بات کی ہے اس علم کے اندر صرف نسب ہی نہیں ہے اولاد کے بارے میں بھی تذکرہ ہوتا ہے اور اجداد کے بارے میں بھی، اس میں ننھیال بھی شامل ہوتا ہے اور ددھیال بھی، اخلاق اور آداب بھی اس میں شامل ہوں گے۔ پھر ایک قانون اور دستور کا معاملہ آتا ہے وہ بھی اس کے اندر شامل ہو جاتا ہے بلکہ بین الاقوامی تعلّقات بھی اسی کے اندر سمو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ اس علم کے اندر بڑی وسعت ہے۔

یہ وہ تکوینی دور دور تھا جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کی حفاظت کے لئے پیدا فرمایا تھا۔ یہ سارے انتظامات فطرت الٰہیہ نے خاتم الانبیاء کی بعثت کے اہتمام اور آپ کی سیرت اور اسوۂ حسنہ کی حفاظت کے لئے فرمائے تھے۔ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ، آپ کی سیرت طیبہ اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی وضاحت تا قیامت کرنا

1٢14٥1

Marfat.com

ضروری تھی، اس لئے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی یا رسول آنے والا نہیں ہے۔ آپ ﷺ ہی کی تعلیمات رہتی دنیا تک انسانیت کی رہنمائی کرتی رہیں گی، لہٰذا سیرت طیبہ کی حفاظت کا اہتمام بھی ضروری تھا۔

صحابہ کرام کی جس نہج پر رسول اللہ ﷺ نے تعلیم و تربیت فرمائی تھی انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی ساری تعلیمات کو اپنے قلب و دماغ اور اپنی عملی زندگی میں محفوظ کر کے سیرت طیبہ کی تدوین کا کام بھی باقاعدہ شروع کر دیا تھا۔ ابتداء میں سیرت سنت و حدیث سے علیحدہ نہیں تھی، صحابہ کرام نے آپ ﷺ کے اقوال و اعمال اور تقریر کو جب جمع کیا تو اسی میں سیرت کا سارا مواد بھی جمع ہو گیا۔

پھر تابعین اور تبع تابعین کا دور آتا ہے انہوں نے بڑے ذوق و شوق سے سیرت طیبہ پر مواد کو یکجا کرنے کا کام کیا۔ حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے ابان ابن عثمانؓ (۲۰ھ۔۱۰۰ھ) یہ تابعین میں آتے ہیں اور محدثین میں ان کا شمار ہوتا ہے، انہوں نے مغازی پر مواد جمع کیا۔ اسی طرح محمد بن اسحاق نے سیرت طیبہ پر جو مواد اکٹھا کیا اس پر ابن ہشام نے کام کیا۔ ان کی سیرت کی کتاب آج ہمارے ہاں مدون اور مطبوعہ شکل میں محفوظ ہے۔ مواد جمع کرنے کے کام میں مردوں کے ساتھ خواتین نے بھی حصہ لیا۔ بعض خواتین نے مغازی پر کام کیا ہے۔ حضرت رملہؓ بنت جندب ان کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی غالباً پندرہ ہجری میں پیدائش ہوئی تھی۔ چھیانوے ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ مغازی میں ان کو خاص مقام حاصل تھا۔ لوگوں نے ان کے علمی کام کو سمجھنے کی کوشش کی اور ان کے مجموعہ کو دوسروں تک پہنچایا۔ سیرت پر کام کرنے والے اور بھی بہت سے صحابہ کرام ہیں۔

Marfat.com

محمد ابن شہاب زہری ایک نمایاں نام ہے۔ ان کے بعد دوسرے لوگ آتے رہے اور سیرت پر کام کرتے رہے۔ ہر آنے والے دور میں سیرت طیبہ ایک فن اور مستقل علم کے طور پر ارتقاء کے مراحل طے کرتا رہا ہے۔ کہ پہلے سیرت احادیث ہی کا حصہ رہا ہے اور پھر الگ ہوتا ہے، اور الگ ہونے کے بعد سیرت کے مختلف پہلوؤں پر بہت سے لوگوں نے کام کیا۔ تاریخی اعتبار سے بھی کام ہوا ہے، یہ کام مورخین نے انجام دیا۔ پھر تاریخی اعتبار سے کام کرنے کے بعد فنی اعتبار سے بھی اس کا اہتمام ہوتا ہے کہ روایات کی صحت کو پرکھ لیا جائے۔ تاریخ اسلام میں جب حضور ﷺ کی احادیث کو پرکھا جاتا ہے تو اس لئے پرکھا جاتا ہے کہ یہ عام انسان کی تاریخ نہیں بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کی تاریخ ہے، اسی طرح سیرت کی روایات کو بھی پرکھنے کا اور اس بات کو جاننے کا کہ ان روایات میں کون سی روایات کمزور ہیں اور کون سی مضبوط ہیں مسلمانوں نے جرح و تعدیل کا مستقل فن ایجاد کر لیا۔ یہ سارے کام ہوتے چلے گئے اور پھر ایک دور وہ آتا ہے کہ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کا تمام ذخیرہ مکمّل طور پر محفوظ ہو جاتا ہے۔

سیرت جب محفوظ ہو جاتی ہے تو محفوظ ہونے کے بعد اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس پر لکھنے پڑھنے اور غور کرنے کی ضرورت نہیں رہی سیرت پر لکھنے کی ضرورت تو قیامت تک ختم نہیں ہوگی۔ مختلف صورتوں اور مختلف حالات میں لوگ سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں، کرتے رہیں گے اور نئی نئی چیزیں آپ کے سامنے آتی رہیں گی اور بعض حیرت انگیز چیزیں ہیں جن کا تذکرہ ڈاکٹر حمید اللہ کی سیرت پر تحریروں میں ملتا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے بعض پہلوؤں کو اس طرح اجاگر کیا ہے کہ وہ پہلے لوگوں کے سامنے نہیں تھے۔

Marfat.com

آج کے جو جنگی ماہرین ہیں یا دفاعی سائنس کے جو ماہرین ہیں وہ جب کام کرتے ہیں تو وہ جہاد اور دفاع کے متعلق نئے نئے پہلوؤں کو زیر بحث لاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت کے مجموعے کو جب ہم سامنے رکھتے ہیں تو ہمیں مجموعہ اسوہ حسنہ سے کچھ اصول ملتے ہیں۔ یہ اصول (Principles) کیا ہیں؟ ان اصولوں پر میں اپنے آئندہ لیکچر میں گفتگو کروں گا۔ آج کے خطاب میں حفاظت سیرت کے تکوینی پہلو کو قدرے تفصیل سے اور تاریخی و تدریسی پہلو کو اجمالاً اجاگر کرنا مقصود تھا۔ اس وقت اس حقیقت کو بتانا مقصود ہے کہ سیرت بھی اسی طرح محفوظ ہے جس طرح کلام الٰہی محفوظ ہے اور جیسے کلام الٰہی کی حفاظت کا تکوینی اہتمام اللہ تعالیٰ نے کیا تھا اسی طرح سیرت طیبہ کی حفاظت کا اہتمام بھی فرما دیا تھا۔ سیرت اب ہمارے پاس الحمد للہ پوری طرح محفوظ ہے۔ البتہ ایک بات افسوسناک ہے وہ یہ کہ سیرت طیبہ ہماری عملی زندگی میں شاید اس طرح محفوظ نہیں ہے جس طرح متقدمین نے اسے محفوظ کیا تھا۔ یہ ہماری بڑی کوتاہی ہے کہ ہم عشق رسول کے دعویدار تو بہت ہیں لیکن سیرت سے ہمارا عملی تعلق کمزور پڑ گیا ہے۔ یہ بات ہمارے حق میں بہت خطرناک ہے۔ ہمارے اسلاف کے لئے سیرت تو تھی ہی اپنانے کے لئے۔ حضور ﷺ کے صحابہ کرامؓ کی زندگی کا یہ عملی پہلو اب تاریخی واقعہ کی طرح ایک تاریخی قصہ بن کر رہ گیا ہے۔ سیرت طیبہ کی روشنی جب ہماری عملی زندگی میں جگمگانے لگے گی تو پھر مسلمانوں کے عروج کا دور شروع ہوگا، انشاء اللہ۔

دیکھئے! یہ دین مغلوب ہونے کے لئے نہیں آیا بلکہ غالب ہونے کے لئے آیا ہے۔ اور آج نہیں تو کل ضرور غالب ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ نئی نسل میں کچھ ایسے افراد پیدا کر دے جو دین کے بارے میں مخلص اور سچے ہوں۔ ایمان نام ہے

Marfat.com

تصدیق قلبی کا اور یہ تصدیق قلبی شاید آج ہمارے دلوں میں محکم نظر نہیں آرہی، اس لئے کہ جب دل سے تصدیق ہوتی ہے تو زبان سے بھی اقرار ہوتا ہے اور انسان کی زندگی اور اس کے جسم کے تمام ظاہری و باطنی اعضاء تصدیق قلبی کی شہادت دینے لگتے ہیں۔ لیکن شاید یہ ہماری کوتاہی ہے کہ سیرت طیبہ محض ایک علمی مطالعہ کے طور پر رہ گئی ہے۔ اگر تزکیہ نفس کے عمل سے ہم نہ گزرے اور سیرت طیبہ کو پورے اخلاص کے ساتھ ہم نے اپنی زندگی کا حصہ نہ بنایا تو ہم کبھی اس منزل پر نہیں پہنچ سکتے جس منزل کا خواب ہم ہمیشہ دیکھتے ہیں، البتہ امید کی کرن معاشرہ میں ان حضرات کو دیکھ کر ضرور پیدا ہوتی ہے جن کی عملی زندگی میں سیرت طیبہ کی جھلک نظر آتی ہے، اگرچہ ایسے حضرات کی تعداد موجودہ معاشرہ میں بہت کم ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں سیرت کو سمجھنے اور اپنانے اور سیرت کے پیغام کو ساری انسانیت تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں پھر آپ سب حضرات کا اور خصوصاً اسلامی مرکز کے منتظمین کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے مجھے موقعہ فراہم کیا کہ میں آپ کے سامنے طالب علمانہ گزارشات پیش کرسکوں، والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

Marfat.com

حوالہ جات

1۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام، جامع الترمذی، فضائل القرآن (2906) وقال: إسنادہ مجھول

2۔ سمہودی، وفاء الوفاء باخبار المصطفیٰ

3۔ ابن تیمیۃ، احمد بن عبدالحلیم، شیخ الاسلام، اقتضاء الصراط المستقیم، ص 340، ناشر: دار الکتاب العربی، 1422ھ/ 2001ء

4۔ ابن سعد، محمد بن سعد البصری، الطبقات الکبریٰ، ج 1، ص 165، ناشر: دار صادر، بیروت، لبنان، 1968ء

5۔ السیوطی، الخصائص الکبری، ج 1، ص 39

6۔ القشیری، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، باب الاسراء، ج 1، ص 92، ناشر: المکتبۃ الرشیدیہ، دھلی، 1376ھ

7۔ ابن ہشام، عبدالملک بن ہشام الحمیری، السیرۃ النبویۃ، ج 1، ص 168، ناشر: مصطفیٰ البابی مصر، 1375ھ

8۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں: بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، (ح: 3887)، ناشر: دار السلام، الریاض، الطبعۃ الاولیٰ، 1417ھ/ 1997ء

Marfat.com

دوسرا خطبہ

اسوۂ حسنہ اور اصول منصوبہ بندی

ہماری کل کی گفتگو کا موضوع ''سیرت طیبہ کی حفاظت کے لئے تکوینی اہتمام'' تھا۔ اس گفتگو سے ایک بات تو واضح ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ ہم تک اسی طرح سے محفوظ چلی آ رہی ہے جس طرح اعلیٰ اقوام میں کوئی بھی اہم اور مقدس کلام محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو دنیا میں شاید کسی اور شخصیت کا کوئی کلام اس قدر اہتمام سے محفوظ کیا جاتا نظر نہیں آتا، جس طرح نبی کریم ﷺ کے احوال اور سیرت مطہّرہ ہم تک محفوظ حالت میں پہنچی ہیں۔ دنیا کی مختلف اقوام کی تاریخ آج ہماری یونیورسٹیوں اور دنیا بھر کی جامعات میں پڑھائی جاتی ہے۔ اسی طرح سیاسی و معاشرتی نظام سے متعلّق بھی بہت سی کتابیں آپ کو نظر آئیں گی جو بطور درسی کتب پڑھائی جاتی ہیں۔

اگر آپ تقابل کریں کہ حضور ﷺ کی طرف جو روایات منسوب ہیں اور جن کو ہم نے جرح و تعدیل کی چھلنی سے گزارنے کے بعد کہہ دیا ہے کہ یہ کمزور ہیں۔ ہماری کتب حدیث میں مروی کمزور ترین روایات بھی کسی قوم کی اعلیٰ سے اعلیٰ تاریخ سے زیادہ مضبوط ہیں۔ یہ میرا دعویٰ ہے اور یہ بات میں پوری ذمہ داری کے ساتھ کہہ رہا ہوں۔ کمزور اور ضعیف روایت کی تاریخ ہمارے پاس محفوظ ہے، اس روایت کو ہم نے کیوں کمزور قرار دیا اس کی بھی ساری تفصیل موجود ہے لیکن ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ کوئی تفصیل ہے نہ تاریخ ہے، پھر بھی ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ہماری تاریخ اور روایات پر بے شمار اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں۔ بہر حال کل کی گفتگو کو سمیٹتے ہوئے ہم

Marfat.com

یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ سیرت مکمّل طور پر محفوظ طریقے سے ہم تک پہنچی ہے۔ وہ سیرت طیبہ جو رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی کا احاطہ کرتی ہے، وہ سیرت طیبہ جو قرآن کی عملی تفسیر ہمارے سامنے پیش کرتی ہے، اُسی کو اسوہ حسنہ کہا گیا ہے۔ کہ یہی اسوہ حسنہ ہماری دنیوی فلاح اور نجات کا ذریعہ ہے۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا تعلق ہے تو اب ہم اسوہ حسنہ سے انحراف نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اسوہ حسنہ کے مطابق تو عمل کرنا ہی ہو گا۔ اس لئے کہ اتباع رسول ہی رضاء الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔

نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ پر بے شمار لوگوں نے کام کیا ہے، اس میں بہت سی چیزیں آداب سے متعلق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کیسے کھانا کھاتے تھے، کیسا لباس پہنتے تھے، آپ ﷺ کا رہن سہن کیسا تھا، اور گفتگو کیسے فرماتے تھے، تمام چھوٹی اور بڑی باتیں اور معاشرتی زندگی کی ہر چیز محفوظ ہے۔ ان میں کچھ چیزیں وہ ہیں جن پر عمل کرنا سنت مؤکدہ ہے اور کچھ وہ ہیں جن پر عمل کرنا محض سنت یا مستحب ہے۔ لیکن مجموعہ اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھا جائے تو اس سے کچھ اصول مستنبط ہوتے ہیں جن پر عمل کرنا انفرادی اور اجتماعی زندگی میں واجب ہے۔ یہ ایسے اصول ہیں جنہیں ہم ترک نہیں کر سکتے، اس لئے کہ ان اصولوں کو ایک دستوری حیثیت حاصل ہے۔ آج کے خطبہ میں ہم انہی اصولوں پر بحث کریں گے۔ حضور ﷺ کی سیرت سے ماخوذ یہ کچھ اصول ہیں جو ہماری ہر شعبہ زندگی میں رہنمائی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر آج ہماری گفتگو کا موضوع منصوبہ بندی کے اصول پر ہے۔ منصوبہ بندی ایک ایسا اصول ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے۔ اس اصول کا دائرہ ہر شعبہ زندگی کو محیط ہے۔ آپ کی عبادات کی زندگی ہو یا تعلیمی زندگی، آپ کی

Marfat.com

خاندانی زندگی ہو یا سیاسی یا معاشی زندگی، جو بھی شعبہ ہو اس شعبے سے متعلق کوئی فیصلہ بغیر منصوبہ بندی کے آپ نہیں کریں گے، اس لئے کہ یہی اسوۂ حسنہ ہے۔

ہم بحیثیت قوم اکثر کام باقاعدہ منصوبہ بندی کے بغیر کرتے ہیں۔ آپ جامعات میں طلبہ ہی کو دیکھ لیجئے اکثر و بیشتر ہمارے طالب علم کے پاس کوئی منصوبہ نہیں ہوتا۔ بس ایم فل اور پی ایچ ڈی کے داخلہ کے لئے وہ چل پڑتا ہے یا جس طرح ہماری پارلیمنٹ کا کوئی ممبر یا حکومت کا کوئی وزیر کسی چھوٹے شہر میں جاتا ہے تو تالیاں بجوانے کے لئے اعلان کر دیتا ہے کہ آپ کے علاقہ کا جو یہ انٹرمیڈیٹ کالج ہے، اسے ڈگری کالج کا درجہ دیا جاتا ہے، یہاں کل سے ایم اے اور ایم فل کی بھی کلاسیں ہوں گی۔ اس سارے تعلیمی پروگرام کے لئے پہلے سے کوئی منصوبہ بندی نہیں ہوتی کہ وہاں کے لوگوں کو آپ کس مضمون میں ماسٹر کروانا چاہ رہے ہیں، ان کی ضروریات کیا ہیں؟ اس کے بارے میں ہم نے کچھ بھی تو نہیں سوچا ہوتا، وہاں کون پڑھائے گا، کیا ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر پڑھانے کے لئے وہاں اساتذہ موجود ہیں؟ ہم نے ان تمام چیزوں کے بارے میں کوئی پلاننگ نہیں کی ہوتی۔ کیا لائبریری اس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ وہاں ریسرچ کرنے والے، اور تحقیق کرنے والے اساتذہ اور طلباء اس لائبریری سے استفادہ کر سکیں؟ اکثر صورتوں میں وہاں لائبریری نہیں ہوتی، وہاں لیبارٹریز نہیں ہوتیں۔ لیکن وہاں بغیر لائبریری، بغیر لیبارٹری اور بغیر اساتذہ کے ایم اے، ایم فل اور ایم ایس سی ہو رہا ہوتا ہے؟ اور اس کا نتیجہ کیا برآمد ہوتا ہے، وہ ہمارے سامنے ہے۔ اس قسم کے مسائل کو مجھ سے زیادہ آپ لوگ جانتے ہیں۔ اس لئے ہمیں مجموعی طور پر دیکھنا ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ میں اس کے لئے کیا رہنمائی اور ہدایات ملتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی کا یہ پہلو بڑا اہم ہے آپ دیکھئے کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی تو

Marfat.com

قرآن حکیم کی تعلیمات کا ایک عکس ہے۔ لہٰذا ہمیں دیکھنا ہوگا اس سلسلہ میں قرآن حکیم کی تعلیمات کیا ہیں؟ اس کا ہمیں گہرائی میں جا کر جائزہ لینا ہوگا اور اس کے مطابق اپنے معاشرہ کے معاملات کو طے کرنا ہوگا۔

قرآن حکیم میں منصوبہ بندی کا تصور:

قرآن حکیم کی تعلیمات پر جب ہم غور کرتے ہیں تو اس میں بھی ہمیں بہت محکم منصوبہ بندی کی تعلیم نظر آتی ہے۔ غور کیجئے کیا اللہ تعالیٰ نے اس پوری کائنات کو بغیر کسی منصوبہ کے پیدا کیا؟ یا اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو کسی منصوبہ کے تحت پیدا کیا ہے۔ قرآن حکیم نے منصوبہ کے لئے تدبیر کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلّق ہے تو اس کی قدرت تو یہ ہے کہ وہ جب کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو محض 'کن' کہنے سے وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے۔ یہ اللہ کی قدرت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ایک لمحہ میں یہ ساری کائنات پیدا کر دیتے، لیکن اللہ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس نے اس کائنات کو پیدا کرنے کے لئے چھ دن کا عرصہ لگایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ" (1)

"یقیناً آپ کا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش پر مستوی ہوا، وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے"۔

اس کی تفصیل بھی قرآن مجید میں ہے کہ دو دن میں یہ کام کیا، دو دن میں یہ کام کیا، دو دن میں یہ کام کیا، یہ دو دو دن کی تقسیم! یہ بھی غور طلب مسئلہ ہے کہ وہ دن کتنا بڑا ہو گا۔ جبکہ تخلیق ارض و سماء کے وقت چاند اور سورج وجود میں نہیں آئے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ

Marfat.com

ایک دن ہزار برس کے برابر ہو۔اس پہلو سے غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ چھ ہزار برس میں یہ کائنات وجود میں آئی۔ پھر اس کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کائنات کے سارے معاملات کی تدبیر فرما رہا ہے۔ تدبیر کا جو لفظ آیت مبارکہ میں آیا ہے اس میں غور کرنا پڑے گا اور دیکھنا ہوگا کہ تدبیر کا مفہوم کیا ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تدبیر سے کیا مراد لیا ہے۔ اس تدبیر کے بارے میں ہمارے بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ اس آیت مبارکہ میں غور کریں تو تین چیزیں نمایاں ہوتی ہیں۔ ان تین چیزوں میں ایک تدریج ہے، دوسری چیز نظم و ترتیب ہے اور تیسری چیز ارتقاء ہے۔ اگر ان تین چیزوں کو ذہن میں رکھا جائے تو شاید نظریہ ارتقاء کی اہمیت بھی نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بتدریج اس مقام تک پہنچایا اور پھر انسان کو پیدا کیا اور اس کی پیدائش کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ" (2)

"کیا آپ کا خیال ہے کہ ہم نے انسان کو بیکار پیدا کیا، اور یہ کہ کیا تم ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آؤ گے"۔

انسان کو پیدا کرنے، اور اسے دنیا میں بھیجنے کا کوئی مقصد تھا یا نہیں تھا؟ یاد رکھئے کسی مقصد کے بغیر انسان کی پیدائش نہیں ہوئی، بلکہ اس کی پیدائش کا ایک اعلیٰ مقصد تھا، اس مقصد کی تکمیل کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا۔ جب منصوبہ بندی کرتے ہیں تو اس منصوبہ بندی کے اندر بہت سے پہلوؤں پر غور کیا جاتا ہے۔ ہم کوئی بھی کام کرنا چاہیں، قانون بنائیں، ادارہ بنائیں یا کوئی اجتماعی، سیاسی، معاشی یا معاشرتی نظم سے متعلّق کوئی فیصلہ کرنا چاہیں تو کیا ہم آنکھیں بند کر کے فیصلہ کریں گے؟ آنکھیں بند کر کے اگر فیصلے کئے گئے تو اس کے نتائج بڑے خطرناک ہو سکتے ہیں۔

Marfat.com

آج ہم مشاہدہ کرتے ہیں اور اپنے حالات کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں اپنے اہل حل وعقد کی پلاننگ بہت ناقص نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ ہم نے یہ تو سوچ لیا تھا کہ روس کی افغانستان میں فوجی مداخلت کے خلاف روسی افواج کو آگے نہیں بڑھنے دیں گے، لیکن شاید روسی مداخلت کو روکنے کے لئے ہمارے پاس جامع منصوبہ نہیں تھا کہ اس سارے معاملہ کو تکمیل تک ہم کس طرح پہنچائیں گے۔ اس جنگ کے نتائج ہمارے حق میں بہتر کیسے نکل سکیں گے۔ روسی افواج کو اگر شکست ہو جاتی ہے تو اس صورت میں ہماری حکمت عملی کیا ہوگی۔ دیگر قوتیں جو ہماری اور افغانیوں کی مدد کے لئے اس جنگ میں شامل ہوگئی ہیں ان کے عزائم کیا ہیں؟ سوال یہ ہے کہ روسی افواج کی شکست کے بعد آپ کی حکمت عملی، تدبیر اور منصوبہ کیا ہوگا۔ دیگر بیرونی قوتیں جو آپ کی مدد کے نام پر آئی ہیں، ان کا کیا کردار ہوگا، ان تمام سوالات کا ناقدانہ جائزہ لے کر شروع سے ہماری ایک جامع منصوبہ بندی ہونا چاہئے تھی، لیکن بعد کے حالات بتاتے ہیں کہ شاید ہماری منصوبہ بندی میں کچھ نقص تھا۔ اب جو صورتحال پیدا ہوگئی ہے اس سے عہدہ برا ہونے کے لئے بھی کوئی جامع منصوبہ نظر نہیں آتا۔

مجھے یاد ہے کہ میں نے اپنے دوست، جو اس وقت آرمی میں تھے، سے کہا تھا جتنے بھی مجاہدین کے گروپ ہیں ان کی مدد کسی بھی نظم (ڈسپلن) کے اندر رہ کر نہیں ہو رہی ان کو مختلف گروپوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے، ان کو نہ صرف اسلحہ کی سپلائی ہو رہی ہے بلکہ ٹریننگ بھی مل رہی ہے، کل کیا ہوگا؟ میں نے ان کو مشورہ دیا کہ اگر ان مجاہدین کو ہم اپنی آرمی کا حصہ بنالیں تو یہ ایک نظم (ڈسپلن) کے تحت آجائیں گے اور آرمی کے نظم کے تحت ہی لڑیں، چاہے ہم اس رجمنٹ کا کوئی بھی نام رکھ دیں، مثلاً مجاہدین رجمنٹ رکھ دیں۔ جب یہ لوگ باقاعدہ ایک نظم کے تحت ہوں گے تو ان کو بہتر طریقے سے کنٹرول کیا

Marfat.com

جاسکے گا۔ لیکن بہرحال یہ ایک تو عام سے فرد کا مشورہ تھا، میں تو عرض کر رہا ہوں کہ اس خطہ میں لڑی جانے والی جنگ سے پہلے ایک جامع منصوبہ بندی کی بہرصورت ضرورت تھی کہ اس کی شروعات کیسے ہوگی، اس کا انجام کیا ہوگا، اس کے نتائج کیا برآمد ہوں گے اور یہ کہ نتائج سے ہم کیسے متنفع ہوسکیں گے، ان ساری باتوں کو ذہن میں رکھ کر ہی صحیح منصوبہ بندی کی جاسکتی تھی۔

اللہ تعالیٰ کے نظم پر غور کیجئے کہ وہ ہماری تعلیم و تربیت کے لئے پورے منصوبے کے ساتھ اس کائنات کو وجود میں لا رہا ہے۔ وہ انسان کو بھی ایک مقصد اور تدبیر کے ساتھ پیدا کرتا ہے، اور پیدائش کے ساتھ ہی اسے وہ تمام حواس عطا فرماتا ہے جنہیں استعمال کر کے وہ اپنے علم و تجربہ میں بھی اضافہ کرسکتا ہے اور اپنے معاملات کو بہتر منصوبہ بندی کے ساتھ انجام دے سکتا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کی پیدائش کا مقصد متعیّن ہے۔ وہ مقصد کیسے حاصل ہوگا اور پھر یہ کہ انسان کی زندگی میں مسلسل ارتقاء رہنا چاہئے۔ یہ اصول ارتقاء بہت اہم ہے۔ آپ کی فکر، علم، عمل، تجربہ و مشاہدہ غرض ہر چیز میں ارتقاء پایا جانا چاہئے۔ مثلاً اگر آپ کسی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کر رہے ہیں اور مقصد صرف یہ ہے کہ بس پی ایچ ڈی الاؤنس مل جانا چاہئے اور جب پی ایچ ڈی الاؤنس ملنا شروع ہوگیا تو ہم مطمئن ہوگئے، یا مثلاً کسی جامعہ کا استاذ چاہتا ہے کہ پروفیسر کے عہدہ پر فائز ہو جائے، تو بہرحال اس کے لئے کچھ نہ کچھ کر کے اپنے مضامین تو پورا کرنے ہوں گے، لیکن جب پروفیسر بن جاتے ہیں تو پھر کوئی ضرورت نہیں رہتی، نہ لکھنے کی نہ پڑھنے کی نہ تحقیق کرنے کی تو یہ ساری کی ساری چیزیں اس لئے ہیں کہ ہمارے پاس نہ کوئی مقصد ہوتا ہے نہ منصوبہ ہوتا ہے نہ ہی ہم اپنا اور اپنے کاموں کا جائزہ لیتے ہیں کہ ہمارے علم ہماری تحقیق اور ہمارے عمل میں کیا

Marfat.com

ارتقاء پیدا ہو رہا ہے۔ ارتقائی مراحل پر نظر رکھنا منصوبہ کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ یونیورسٹی کے پروفیسر کا ارتقاء گریڈ، اور انتظامی عہدہ سے نہیں پرکھا جا سکتا۔ اس کی اصل پہچان فکری، علمی اور تحقیقی کام ہے۔ پروفیسر ہونا ایک بہت اہم مقام ہے۔ اس مقام کا تقاضا ہے کہ وہ اپنا علم وفکر اپنے طلبہ تک منتقل کرے، کیونکہ علم کی کوئی حد وانتہاء نہیں ہے جتنا بھی علم آپ کے پاس آ گیا ہے، وہ کم ہے، بسا اوقات ایسا لگتا ہے کہ ابھی تو آغاز ہوا ہے یہ بات بھولنا نہیں چاہئے کہ علم کی کوئی انتہاء نہیں ہے، لہٰذا علم کے میدان میں ہر فرد کو ہر لمحہ آگے بڑھتے رہنا چاہئے۔

علم بحرِ بے کراں ہے، اس کی کوئی حد نہیں۔ مہد سے لحد تک طلب علم کی جستجو جاری رہتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ علم وفکر کا ارتقائی (Intellectual Development) عمل جاری رہنا چاہئے، یا رک جانا چاہئے؟ اور یہ بات یاد رکھئے کہ علم وفکر کا ارتقاء جب بھی رک جائے گا تو اسی لمحہ آپ کی موت واقع ہو جائے گی، بظاہر آپ چلتے پھرتے نظر آئیں گے، جسمانی طور پر آپ کا وجود ہوگا لیکن فکری طور پر آپ کی موت واقع ہو چکی ہوگی۔ لہٰذا خدا کے لئے اپنی فکری موت کو واقع نہ ہونے دیجئے۔ ہمیں اس طرح منصوبہ بندی کرنا چاہئے کہ ہم ارتقاء کے پہلو کو سامنے رکھیں، اپنے مقاصد کا تعین کریں اور بغیر منصوبہ بندی کے کوئی کام نہ کریں۔ عام طور پر ہمارے طالبعلم کے پاس کوئی منصوبہ نہیں ہوتا۔ وہ اپنے اساتذہ کے پاس کوئی باقاعدہ منصوبہ لے کر نہیں جاتا بلکہ ان سے صرف یہ چاہتا ہے کہ استاذ اسے کوئی موضوع دے دیں، جیسے اساتذہ کا دفتر کوئی پرچون کی دکان ہے کہ وہ اپنی پٹاری میں سے کوئی موضوع نکال کر انہیں دے دیں گے، یا وہ ایک موضوع آپ کی جھولی میں ڈال دیں گے، بحث وتحقیق کے میدان میں ایسا ہوتا نہیں ہے۔

Marfat.com

تحقیق کا موضوع تو ایک پروجیکٹ ہوتا ہے جسے خود محقق کو Develop کرنا چاہیے، جب آپ کسی تحقیقی موضوع کا تعین کرلیں گے تو پھر آپ اساتذہ سے مدد لے سکیں گے، وہ آپ کو بتائیں گے کہ اس کی اصلاح کیسے کرنی ہے۔اس کو ایک اچھا موضوع بنانے کے لئے کیا کیا اصلاحات کرنا ہوں گی۔ اساتذہ کی رہنمائی بعد میں ہوتی ہے موضوع کے بارے میں پہلے غوروفکر کرنا اور کچھ ابتدائی کام کرنا آپ کا فرض ہے۔ جب آپ کا ذہن کام کر رہا ہو، اور آپ کوئی علمی موضوع ڈھونڈ لائیں، تو اس موضوع پر آپ کام کرنا شروع کر دیں اس پر متعلقہ مواد جمع کر لیں تو پھر آپ کا راہ نما (سپروائزر) آپ کی بہتر طریقے سے رہنمائی کر سکے گا۔ یہ سارا تجربہ تعلیم و تعلم کا عمل (Learning Process) ہوگا۔ آپ سپروائزر سے مشوروں کے ذریعہ بہت کچھ سیکھیں گے۔ اس طرح آپ کا کام آگے بڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں بہت سی جگہوں پر ہمیں یاددہانی کراتا ہے کہیں تذکرون کہہ رہا ہے۔ کہیں تفکرون کہہ رہا ہے۔ کبھی تعقلون کہہ رہا ہے۔ کہیں افلا ینظرون یا افرأیتم کہہ رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے آپ اپنی ساری فکری صلاحیتیں غوروفکر اور اپنے موضوع کی جامع منصوبہ بندی میں صرف کر دیجئے۔ ہمارا طالبعلم پی ایچ ڈی تو کرنا چاہتا ہے لیکن کبھی اس نے پی ایچ ڈی کے اچھے مقالے نہیں پڑھے ہوتے کہ دو چار پی ایچ ڈی کے جو اچھے مقالے لائبریری میں موجود ہیں ان کو پڑھ لیا جائے اس لئے کہ ان کے پڑھنے سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ان کے کام کی نوعیت کیا ہے، ان کا منہج کیا ہے، انہوں نے ریسرچ اور تحقیق کس طریقے سے کی ہے ان کے مطالعہ سے تحقیق کے متعلق بہت ساری چیزیں آپ کے سامنے آجائیں گی۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ غوروفکر سے کام لو، عقل سے کام لو، اور یاددہانی سے کام لو۔

ہم ''لعلکم تذکرون'' وغیرہ تو قرآن مجید میں پڑھتے ہیں، لیکن اس کے صحیح

Marfat.com

مفہوم کا ادراک نہیں کر پاتے، حالانکہ غور وفکر اور عقل وفہم کا استعمال بہت اہم ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ منصوبہ بندی کی قرآن حکیم کی نظر میں بڑی اہمیت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں بے شمار فیصلے کیے، اور آپ ﷺ کے ہر فیصلہ کے پیچھے ایک جامع منصوبہ نظر آئے گا۔ چند اہم فیصلوں پر ہم یہاں گفتگو کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں میں منصوبہ بندی کی مثالیں:

نبی کریم ﷺ نے بہت فیصلے کیے ہیں، ان میں سب سے اہم فیصلہ ہجرت کا فیصلہ ہے کہ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں منتقل ہونا جس کو ہم ہجرت کہتے ہیں۔ ہجرت کے دو اہم واقعات کو ہم یہاں ذکر کریں گے اور دونوں ہجرتوں میں رسول اللہ ﷺ کی منصوبہ بندی پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ منصوبہ بندی کی صورت میں منصوبہ تیار کرنے والے اہل علم وبصیرت اپنی تمام ذہنی اور عقلی صلاحیتوں سے کام لے کر منصوبہ تیار کرتے ہیں، جس طرح علم وتحقیق کا طالبعلم مسئلہ کے ہر پہلو کو مختلف زاویوں سے دیکھتا ہے۔ انہیں مختلف کسوٹیوں پر پرکھتا ہے۔ وہ مختلف زاویوں سے سوچتا ہے۔ یہاں عقل، آنکھ، کان اور حواس بند کر کے اور اپنے حواس کو ایک طرف رکھ کر آپ بحث وتحقیق نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو یہ تمام حواس دیئے ہیں کہ ان سے مفید کام لیا جائے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے عقل وحواس کو اپنی بڑی نعمت قرار دیا ہے۔ عقل بھی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ نے بلاوجہ یہ نہیں کہا کہ کیا اندھا اور بینا دونوں برابر ہیں؟ گونگا بہرہ اور دیکھنے والا اور نابینا برابر تو نہیں ہو سکتے؟ ایک دیوانہ اور پاگل آدمی اور ایک صاحب عقل، کیا دونوں برابر ہیں؟ شریعت ساری کی ساری پابندی کن لوگوں پر عائد کر رہی ہے؟ مکلّف پر! اور مکلّف کی تعریف یہ ہے کہ جو عاقل وبالغ ہو۔ یہ دین دیوانوں کے لئے نہیں بلکہ صاحب

Marfat.com

عقل و بصیرت لوگوں کے لئے ہے۔ اس عقل کو شریعت کے فہم کے لئے استعمال کرنا بھی بہت ضروری ہے۔

عقل بھٹک بھی سکتی ہے، اس لئے عقل کی رہنمائی کے لئے آپ کے پاس وحی کا سرمایہ بھی ہے، اور وحی کی روشنی میں آپ اپنے تمام حواس سے کام لیں، جہاں عقل اور وحی میں تصادم آجائے وہاں وحی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیجئے۔ یہی ایمان کا تقاضا ہے۔ ایسا کریں گے تو آپ ان خامیوں اور غلطیوں سے بچ جائیں گے جن کا عام طور پر ہم ارتکاب کر لیتے ہیں۔ اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو خطاؤں اور غلطیوں کے اندر دبتے چلے جائیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے ہجرت کا جو فیصلہ کیا تھا، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا نبی کریم ﷺ نے بغیر کسی منصوبہ بندی کے اپنے صحابہ کرامؓ سے کہہ دیا کہ جاؤ تم حبشہ چلے جاؤ۔ ایسا بالکل نہیں تھا۔ سالہا سال نبی کریم ﷺ نے مختلف علاقوں اور خطوں کے بارے میں ہجرت کے متعلّق ضروری مواد جمع کیا۔ وہاں کے حالات، ادوار، تاریخ، تہذیب، تمدن وغیرہ سب کا جائزہ لیا۔ اس نکتہ پر غور کیا کہ میں اپنے ساتھیوں کو ایسی جگہ بھیجوں کہ جہاں ان کی جان مال عزت و آبرو بھی محفوظ ہو جائے اور جس دین پر وہ عمل کر رہے ہیں اس پر عمل کرنے میں بھی کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

اب یہ ساری معلومات آپ ﷺ کو کہاں سے اور کیسے حاصل ہوئیں؟ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں عربوں کے حبشہ سے تجارتی تعلّقات تھے۔ ان تجارتی تعلّقات کی وجہ سے مکہ کے تاجر حبشہ جایا کرتے تھے اور حبشہ کے تاجر بھی مکہ مکرمہ آیا کرتے تھے۔ تجارت کو فروغ دینے کے لئے مکہ مکرمہ میں بڑے بڑے بازار سجا کرتے تھے، یہ اسواق صرف تجارت ہی کے لئے اہم نہیں تھے بلکہ معاشرتی اور سیاسی تعلّقات کے لئے بھی ان کی اہمیت مسلّم تھی۔ یہ تجارتی میلے بڑے علمی قسم کے ہوتے تھے۔ جب مختلف علاقوں کے

Marfat.com

لوگ آتے تو نبی کریم ﷺ سے ان کی ملاقاتیں ہوتی تھیں اور ان سے اُن کے علاقوں کے حالات کا علم بھی ہوتا تھا۔ اس لئے کہ وہاں کا رہنے والا شخص اپنے ملک کے حالات سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے، وہ تمام حالات، اچھے ہوں یا برے، بیان کر دیتا ہے۔ پھر آپ کے علاقہ سے جانے والے جو تاجر جب حبشہ جاتے ہیں اور وہاں کچھ وقت گزار کر مال تجارت لے کر واپس آتے ہیں تو ان سے بھی بہت سے واقعات و حالات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ حبشہ کے تاجروں نے جو بات کہی تھی اور جو بات عرب تاجر کہہ رہے ہیں، یہ دونوں کے بیان میں موافقت ہے، یا کہیں تضاد ہے۔ مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی اطلاعات سے نبی کریم ﷺ کو ایک نتیجہ پر پہنچنے میں آسانی پیدا ہوتی تھی کہ صحیح حقائق کیا ہیں۔ معاملات میں آنحضرت ﷺ کی منصوبہ سازی کا جب مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں منصوبہ بندی اسوۂ حسنہ کے ایک اصول کے طور پر نظر آتی ہے۔

آپ کی منصوبہ بندی اس وقت تک مکمّل نہیں ہوگی جب تک آپ تمام حالات کا پوری طرح تجزیہ نہیں کرلیں گے۔ کسی موضوع پر کام کرنے والا طالبعلم جب تک اپنے سے پہلے لوگوں کے کئے ہوئے کام کا اور جو کام وہ خود کرنا چاہتا ہے جب تک ان سب کا تجزیہ نہیں کرلے گا وہ اپنے موضوع پر صحیح طرح تحقیقی کام نہیں کر سکے گا۔

ہجرت حبشہ کا معاملہ ایسا تھا کہ اہل حجاز اور حبشہ کے درمیان سمندر حائل تھا۔ اہل مکہ کے لئے یہ سفر آسان نہیں تھا کہ نہ ہی وہاں کے لوگوں کے ساتھ رابطہ کرنا آسان تھا۔ حبشہ کے بارے میں معلومات نبی کریم ﷺ کو بڑے اہم اور قابل اعتماد ذرائع سے حاصل ہو چکی تھیں، کہ وہاں کا حکمران عادل ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اس کی سلطنت میں صرف عدل وانصاف ہوتا ہے۔ ان سب باتوں کی جب تصدیق ہوگئی تو اس کے بعد

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے کہا کہ تم وہاں جا سکتے ہو۔ نبی کریم ﷺ کے الفاظ ہیں کہ سرزمین حبشہ سچائی کی سرزمین ہے، وہاں کسی شخص پر ظلم نہیں کیا جاتا، تم وہاں چلے جاؤ، اور اس وقت تک وہاں رہو جب تک اللہ تعالیٰ کا کوئی اور حکم نہ آ جائے۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حبشہ عارضی طور پر ایک مقام ہجرت طے کیا جا رہا ہے تا کہ مسلمانوں کو فی الوقت اہل مکہ کے ظلم وستم سے بچا لیا جائے، اور انہیں وہاں اپنے دین پر عمل کرنے کی آزادی بھی میسر ہو۔ آپ ﷺ کے حکم پر کچھ مسلمان وہاں جا کر رہنے لگے۔

یہ لوگ دعوت دین کے لئے نہیں گئے تھے ابھی انہوں نے ہجرت اس لئے کی ہے کہ انہیں رہائش کے لئے ایک محفوظ پناہ گاہ مل جائے۔ دعوت دین کے بہت سے مناہج ہیں۔ ایک یہ کہ آپ لوگوں کے پاس پہنچتے ہیں اور ان کو دین کی دعوت دیتے ہیں، ایک منہج یہ ہے کہ آپ کی اپنی عملی زندگی میں دین نمایاں ہو جائے تو آپ کے اس عمل سے دین کا پیغام خود بخود پھیلنے لگ جاتا ہے۔ آپ کو کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی، لوگ آپ کی زندگی کو دیکھ کر یہ سمجھ جاتے ہیں کہ اسلام کیا ہے؟ چنانچہ یہ لوگ وہاں رہے اور عمل کرنا بھی شروع کر دیا، ان میں سے بعض لوگوں نے وہاں شادیاں بھی کیں۔ ان کی عملی اور معاشرتی زندگی ہی دعوت دین اور حبشہ میں اس کی اشاعت کا ذریعہ بن گئے۔

نبی کریم ﷺ کے چچا کے بیٹے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب بھی حبشہ چلے گئے تھے اور ایک طویل عرصہ تک وہاں رہائش پذیر رہے، وہ تو تقریباً فتح مکہ کے وقت واپس آئے۔ مسلمانوں نے اپنے عمل واخلاق سے وہاں جو اثرات (impact) چھوڑے، وہ بہت گہرے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو علمی اور فکری طور پر بڑا مضبوط کر دیا تھا۔ فکری

Marfat.com

طور پر مضبوط کرنے سے میری مراد ایمان کی قوت ہے۔ ایمان جسے تصدیق قلبی کہتے ہیں، اس کی قوت کا لوگوں کو صحیح اندازہ نہیں اور تیسری جو عظیم الشان قوت جو صحابہ کرام میں رسول اللہ ﷺ نے پیدا فرمائی تھی وہ اعلیٰ اخلاق تھے، کہ مسلمان جہاں بھی ہو جس خطے میں بھی ہو وہ اخلاقی اعتبار سے سب سے بلند ہوتا ہے۔ کوئی قوم مکارم اخلاق میں اس کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتی۔ ہر فرد اخلاقی رویہ میں عظیم ہوتا ہے۔

اگر رسول اللہ ﷺ کا پیروی کرنے والا خلق عظیم کے اس بلند مقام تک نہ بھی پہنچا ہو، تو تب بھی وہ کمال کی طرف ہی بڑھ رہا ہوتا ہے۔ دوسری قوموں سے اس کا مقام اخلاقی اعتبار سے بہت اونچا ہوتا ہے۔ جب کسی قوم کو علمی، فکری اور اخلاقی یہ تین قوتیں حاصل ہو جائیں تو دنیا کی کوئی بھی طاقت ایسی قوم کو روند نہیں سکتی۔ ہجرت حبشہ کر کے جانے والے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ جن کی تعداد سو بھی نہیں ہوگی، تقریباً ستر پچھتر ہوں گے جن میں مرد، عورت اور بچے بھی ہیں، اب ان کے خلاف مکہ کی مملکت شاہ حبشہ سے سفارتی رابطے قائم کرتی ہے، یہ بات ذہن میں رکھئے کہ جب کوئی مملکت رابطہ قائم کرتی ہے، تو سیاسی طور پر اس کا اثر و رسوخ زیادہ ہوتا ہے اور جو مہاجرین وہاں ہجرت کر کے گئے ہوئے تھے، ان کے پاس نہ کوئی مملکت تھی، اور نہ ہی وہ کسی مملکت کی نمائندگی کر رہے تھے، لہٰذا سیاسی طور پر ان کی حیثیت کمزور تھی۔

قریش کے ساتھ مملکت حبشہ کے تجارتی روابط تھے۔ اگر کوئی تجارتی معاملات میں گڑ بڑ آتی ہے تو قریش کی وجہ سے آتی ہے، اس لحاظ سے تو قریش کو برتری تو حاصل ہے لیکن ان تمام فوقیتوں کے باوجود جب قریش مکہ کی جانب سے وہاں رابطہ کیا جاتا ہے کہ یہ ہمارے لوگ ہیں جو فرار ہو کر آپ کے علاقہ میں آ گئے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو

Marfat.com

نہ آپ کے دین پر ہیں نہ ہمارے دین پر۔ انہوں نے ہمارا دین بھی چھوڑا اور آپ کا دین بھی اختیار نہیں کیا۔ لہٰذا ان لوگوں کو اپنی سرزمین سے نکال دیا جائے۔

قریش مکہ نے سفارتی رابطے کے لئے جو وفد بھیجا تھا اس میں بڑے منجھے ہوئے سفارت کار تھے بہت اچھے سیاستدان تھے۔ انہوں نے بھرپور سفارتکاری کی، کہ جانے کے بعد پہلے بادشاہ کے دربار کے قریبی لوگوں سے ملتے ہیں، ان کو تحائف پیش کرتے ہیں، ان کو اپنے حق میں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان تمام کوششوں کے بعد بادشاہ سے مل کر جب وہ اپنے مطالبات رکھتے ہیں تو اس وقت نبی کریم ﷺ کے الفاظ یاد آتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ "وہاں ایک عادل بادشاہ ہے اس کی سلطنت میں لوگوں پر ظلم نہیں ہوتا"۔ بادشاہ نے وفد کی گفتگو سن کر کہا نہیں! میں ان کو اس وقت تک نہیں نکال سکتا جب تک میں ان کا نقطہ نگاہ نہ سن لوں، اور جب تک ان کا قصور ثابت نہ ہو جائے۔ میں نے آپ کے مطالبہ کو سن لیا ہے لیکن میں جب تک دوسرے فریق کی بات نہیں سن لیتا اس وقت تک فیصلہ نہیں کر سکتا، لہٰذا مسلمانوں کے نمائندوں کو بلاؤ تا کہ میں ان کی بات بھی سن لوں، تا کہ میں عدل کے مطابق فیصلہ کر سکوں۔ مسلمانوں نے حضرت جعفر طیارؓ کو اپنا نمائندہ مقرر کیا۔ حضرت جعفرؓ ایک بہت ذہین انسان تھے، حالات پر ان کی گہری نظر تھی۔ اعلیٰ درجہ کے خطیب تھے۔ انہیں شاہ حبشہ کے دربار میں مسلمانوں کی نمائندگی کا موقعہ ملا تو انہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ انہوں نے نہایت بلیغ انداز میں مسلمانوں کی نمائندگی بھی کی اور گفتگو کا ایسا اسلوب اختیار کیا کہ اس موقع کو دعوت دین کے لئے بھی بڑے موثر انداز میں استعمال کیا۔

یہ بڑی اہم بات تھی کہ حضرت جعفرؓ نے شاہ حبشہ کو اپنی گفتگو سے متاثر کر لیا۔

Marfat.com

چنانچہ شاہ حبشہ نے مسلمان پناہ گزینوں کو نکالنے سے انکار کردیا اور مملکت مکہ کے سفیروں کو ناکام واپس جانا پڑا۔ اب اس موقعہ پر آپ ان اشعار کا مطالعہ کیجئے جو بعض خواتین نے اپنے حبشہ کے قیام میں کہے اور جنہیں ابن ہشام نے نقل کیا ہے۔ (3)

ان اشعار سے پتہ چلتا ہے نبی کریم ﷺ نے بڑی سوچ و بچار کے بعد ایک بہت محفوظ ترین جگہ پر اپنے ساتھیوں سے جانے کے لئے کہا تھا۔ خواتین نے شاعرانہ انداز میں اہل مکہ کو اور ان لوگوں کو جو ابھی تک ہجرت نہیں کر سکے تھے واضح پیغام دیا تھا کہ مکہ والوں کو بتا دو کہ آج جب ہم اس سرزمین میں رہائش پذیر ہیں، یہاں ہماری جان، مال، عزت و آبرو بھی محفوظ ہے اور دین بھی محفوظ ہے۔ ہم ایک پرسکون ماحول میں اطمینان کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ ساری کامیابی ہمیں اس لئے نظر آتی ہے کہ سرزمین حبشہ کی جانب ہجرت اور وہاں عارضی طور پر قیام ایک جامع منصوبہ کا نتیجہ تھا۔ یہ بات یاد رکھئے کہ منصوبہ بندی اس وقت تک مکمّل نہیں ہوسکتی جب تک آپ اس کام کے مقاصد کا تعین نہیں کر لیتے۔ جن کے سامنے مقاصد واضح ہوتے ہیں وہ ان کے حصول پر نظر بھی رکھتے ہیں۔ اور اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ وہ مقاصد حاصل ہو رہے ہیں یا نہیں۔ جس طرح ایک اچھا استاذ جب مضمون پڑھاتا ہے تو وہ اپنے طلبہ کی اہلیت و صلاحیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور علمی درجہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے تدریس مضمون کے مقاصد کا تعین کرتا ہے۔

منصوبہ بندی کے لئے مقاصد کا تعین:

مقاصد کے تعین کے بغیر آپ کسی مضمون کو صحیح طور پر نہیں پڑھا سکتے، نہ ہی وہ فوائد حاصل ہوں گے جو آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا منصوبہ بندی میں پہلے مقاصد

Marfat.com

کا تعین کیا جاتا ہے کہ جس مقصد کے لئے ہجرت کی جا رہی ہے وہ مقصد پورا ہو گا یا نہیں، نیز اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہمارے وسائل کیا ہیں؟ اور یہ کہ موجودہ وسائل کو کس طرح ذہانت کے ساتھ استعمال کرنا ہے کہ اس کے مجموعی طور پر مفید نتائج برآمد ہو سکیں۔ یہ سارے پہلو منصوبہ بندی میں پیش نظر رہتے ہیں۔ مقاصد کا تعین خود بھی ایک اصول ہے۔ اور حالات کا تجزیہ کرنا بھی ایک اصول ہے۔ لیکن جب ہم پلاننگ کرتے ہیں تو مجموعی طور پر مقاصد کا تعین اور حالات کا تجزیہ ایک اچھے منصوبہ کا لازمی عنصر ہوتے ہیں۔ جو قومیں اپنے مقاصد کا تعین کئے بغیر اور بغیر کسی منصوبہ بندی کے کام کرتی ہیں وہ اپنے بے ہنگم کاموں کے نتائج بھگتتی ہیں۔

بے شمار ایسی چیزیں ہیں جو ہم آنکھ بند کر کے بغیر کسی منصوبہ بندی کے کرتے ہیں۔ نہ ہم حالات کا پہلے سے تجزیہ کرتے ہیں نہ نتائج پر نظر رکھتے ہیں مثلاً جب ہم قانون سازی یا کوئی ضابطہ طے کرتے ہیں تو یہ نہیں دیکھتے کہ قانون یا ضابطہ ہمارے بنیادی اصولوں سے ہم آہنگ ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ یہ خاص قانون ہمارے لئے مفید ہو گا یا مفید نہیں ہو گا۔ بسا اوقات سمندر پار ممالک میں رائج قانون یا ضابطہ کو بعینہٖ ویسا ہی اپنے ملک میں جاری و نافذ کر دیتے ہیں، ہم یہ بھی پرکھنا گوارا نہیں کرتے کہ اس ضابطہ یا قانون کے ہمارے معاشرہ پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔

ہم تو بس ایک بھیڑ چال کا شکار ہوتے ہیں، کہ ساری قوم بغیر سوچے سمجھے اُس جانب دوڑنا شروع کر دیتے ہیں جدھر دوسرے لوگ دوڑ رہے ہوتے ہیں، مثلاً جب کسی ایک شعبہ علم کی مارکیٹ میں قدر (value) بنتی ہے تو ہم سارے اسی طرف چل پڑتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ ہر کوئی چاہتا تھا کہ ہمارا بچہ ڈاکٹر بن جائے بس آمدنی کا اچھا

Marfat.com

ذریعہ ہوگا۔ اب ایم بی اے کیا شروع ہوا جسے دیکھو ایم بی اے کر رہا ہے، کسی کے پاس کوئی منصوبہ نہیں ہے۔ اب آپ کے ملک کے جو اس وقت حالات ہیں اور جو ترقیاتی کام ہو رہے ہیں، ان کی رفتار کو دیکھیں تو کارپوریٹ سیکٹر میں انتظامی امور (Management) کے اندر ملازمتوں میں سالانہ کھپت جو چالیس، پچاس یا زیادہ سے زیادہ ساٹھ افراد سالانہ سے زیادہ نہیں کی جا سکتی۔ لیکن آپ دیکھئے کہ کراچی سے پشاور اور کوئٹہ تک ایم بی اے کرنے والوں کی تعداد ہزاروں میں ہوتی ہے، ان میں بہت سے وہ لوگ ہوں گے جو غریب گھرانوں سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ ان غریبوں نے یہ سوچ کر کہ ہماری زندگی کے دن تبدیل ہو جائیں گے، اپنے بچوں کو ایم بی اے کرنے کے لئے تھوڑی بہت زمینیں جو ان کی معاشی ضرورت کو بہ مشکل پورا کرتی تھیں، فروخت کر دیا تاکہ بچوں کی فیسیں ادا کی جا سکیں۔ تعلیمی ادارے بھی بڑے بے رحم ہیں، اور سرکاری اداروں نے بھی غریب کے لئے علم کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ اب غریب آدمی زیور، زمین، ساری پونجی بیچ کر اپنے بچے کو ایم بی اے کرواتا ہے۔ جب اس کی تعلیم مکمّل ہوتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کے لئے تو کوئی ملازمت ہی نہیں ہے۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ہمارے پاس کوئی منصوبہ نہیں ہوتا۔ ہم منصوبہ بندی کے بغیر کام کر رہے ہیں۔ اگر ہم یہ طے کر لیں کہ ہمیں پانچ سال میں اتنے مینجمنٹ سائنسز میں افرادِ کار کی ضرورت پڑے گی اور اتنے ہی لوگوں کو متعلقہ مضمون میں ایم بی اے کروائیں یا ہمیں اپنے ملک میں اس قدر اطباء یا انجینئروں کی ضرورت ہوگی اس کے مطابق ہم ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کریں تو بہتر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ ہمیں اپنے وسائل کی بھی قدر کرنا چاہئے اور اپنے وقت کی بھی۔

ہمارے بعض پڑوسی ممالک اپنے سفارتخانوں کے ذریعہ بیرون ملک ماہرین کو

Marfat.com

بھیجنے کے لئے باقاعدہ منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ وہ آئندہ پانچ سال میں افراد کار اور ماہرین کی ضرورت کو معلوم کر کے اس کے مطابق ایسے ماہرین تیار کرتے ہیں جو ان ممالک کی ضرورت کو پورا کر سکیں، انہیں وہاں کی زبان اور تہذیب و روایات اور ملکی قواعد وضوابط سے آگاہ کرایا جاتا ہے تاکہ وہ اس ملک میں اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دے سکیں۔ اس کے برعکس ہم یا تو سیاسی بنیادوں پر اپنی جماعت کے جیالوں کو بھیجتے ہیں یا پھر یہ کام کمیشن لے کر کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی حرکتوں کی وجہ سے بیرون ملک ہمارا امیج بھی خراب ہو رہا ہے۔ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ ہم پلاننگ سے کام نہیں کرتے جو ہمارے رسول ﷺ کی سنت کا ایک اصول ہے۔ اس پر عمل نہ کرنا ترک سنت ہے۔

ہجرت مدینہ کے لئے منصوبہ:

ہجرت کا دوسرا اہم واقعہ ہجرت مدینہ ہے۔ ہم عام طور پر ہجرت مدینہ کو ایک تاریخی واقعہ کے طور پر پڑھتے چلے جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے بس ایسے ہی فیصلہ کر لیا تھا، اور اس اچانک فیصلہ کے نتیجہ میں بس اٹھ کر چل دیے تھے۔ غور کیجئے کہ اس پوری پلاننگ کا حصہ وہ خفیہ اجلاس ہیں جو عقبہ کے مقام پر اہل یثرب کے ساتھ ہجرت سے کئی سال قبل شروع ہوئے۔ بہت سے امور ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں خفیہ رکھنا حکمت عملی کا حصہ ہوتا ہے اس لئے کہ اگر آپ انہیں خفیہ نہیں رکھیں گے تو آپ کامیاب نہیں ہوں گے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اس کو انتہائی مخفی رکھا۔

عقبہ کے مقام پر تین مرتبہ اجتماعات ہوتے ہیں۔ ان خفیہ اجتماعات نے رسول اللہ ﷺ کو مدینے کے حالات کا بھرپور جائزہ لینے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔ آپ کو معلوم تھا کہ مکہ مکرمہ تو ایک منظّم سوسائٹی تھی جس میں ایک باقاعدہ نظام حکومت تھا۔ چاہے جیسا

Marfat.com

بھی ہو، لیکن ایک باقاعدہ نظام تو تھا، ایک مملکت تھی، اس مملکت کے اندر مختلف شعبے کام کر رہے تھے۔ اس کے برعکس یثرب جنگی گروپوں میں تقسیم تھا۔ یہ شہر ایک بستی نہیں بلکہ بہت سی چھوٹی چھوٹی بستیوں کا مجموعہ تھا اور یثرب کے تمام قبائل آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار تھے، اس خطے میں آباد یہودیوں کے سارے قبائل جنگی گروپس میں تقسیم تھے۔ یہاں دعوت ونظم کے لئے کام کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ بہت سی مشکلات تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے یہاں کی ساری صورتحال کا بھرپور تجزیہ کیا ہوا تھا کہ یہاں آباد یہودی بھی ہیں، ان کے کون کونسے قبائل آباد ہیں، ان کی تاریخ کیا ہے؟ ان کی روایات کیا ہیں؟ اور یہود کے علاوہ مشرکین کی بستیاں کتنی ہیں، وہ کون لوگ ہیں؟ اور عیسائی ہیں، کہاں کہاں ہیں ان کی تعلیمات کیا ہیں اور ان کی نفسیات کیا ہے؟

نبی کریم ﷺ نے جو اہم ترین کام کیا وہ یہ کہ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقعہ پر اہل یثرب سے ایک معاہدہ کرلیا جس میں یہ طے پایا کہ جب بھی مسلمان اور بنی کریم ﷺ وہاں آئیں گے ان کے تحفّظ کی ذمہ داری اہل یثرب پر عائد ہوگی، اور اس کا انہوں نے مضبوط عہد کرلیا۔ دوسرا اہم ترین فیصلہ یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ نے کچھ لوگوں کو جنہیں قبائل کے لوگوں نے منتخب کیا تھا، نمائندہ مقرر کردیا جن کو نقیب کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے بارہ نقیب مقرر کردیئے۔ (4) اب بارہ نقیب آپ ﷺ کے نمائندہ بن کر وہاں جارہے ہیں۔ آئے تو وہ مدینہ منورہ سے ہیں لیکن نبی کریم ﷺ کے ساتھ خفیہ اجلاس کے نتیجے میں اب یہ رسول اللہ ﷺ کے نمائندے بن کر واپس جارہے ہیں اور ان سب کی تعلیم وتربیت کے لئے نبی کریم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کا انتخاب فرمایا۔

Marfat.com

حضرت مصعب بن عمیرؓ بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ یہ انتہائی ذہین تھے اور باہمی مذاکرات میں اتنے ماہر تھے کہ کوئی شخص ان کے ساتھ بیٹھ کر ان کے دلائل اور ان کی باتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ مصعب بن عمیرؓ لوگوں کی نفسیات سے واقف تھے۔ ان کی شخصیت بہت جاذب اور وجاہت رکھنے والی تھی۔ جو شخص علمی و فکری بلندی کے ساتھ ساتھ شخصی وجاہت بھی رکھتا ہو تو اس کی بات میں بھی اثر ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو یہ تمام اوصاف عطا فرماتا ہے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ بڑے حسین وجمیل تھے، بات کرنے کا انداز، علم، آداب، اخلاق، کردار آخر کیا چیز تھی جو ان کی شخصیت میں نہ پائی جاتی ہو۔ ان سب کے باوجود ان میں بے پناہ علمی اور عقلی استدلال کی صلاحیت، اسلوب دعوت اور گفتگو نہایت سادہ مگر متاثر کن، کہ لوگوں کے ساتھ گھل مل کر دعوت کا کام بھی کر رہے ہیں، دین کے بارے میں بھی بتا رہے ہیں اور عام لوگوں کے مسائل بھی غور سے سن رہے ہیں لیکن ان میں کمال یہ تھا کہ کہیں نہ کہیں پہنچ کر کسی نکتہ پر لا کر دعوت اسلام پر گفتگو شروع ہو جاتی تھی۔

ان کے بارے میں ہمارے سارے علماء لکھتے ہیں کہ مصعب بن عمیرؓ جب بھی کسی گروپ کے ساتھ مذاکرات کے لئے بیٹھتے ہیں تو جب وہاں سے اٹھتے ہیں تو کوئی ایسا نہیں ہوتا کہ جس نے اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔ ایک سال کے عرصے میں آپ نے بے شمار لوگوں کو مسلمان کیا۔ اسلام کے لئے ان کے دروازے کھل گئے۔ اب آپ دیکھئے کہ کیا یہ سب کچھ بغیر منصوبہ کے ہو رہا تھا؟ جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کی تو کیا آپ ﷺ آنکھیں بند کر کے روانہ ہو گئے تھے؟ نہیں، بلکہ آپ ﷺ نے ہجرت کو کامیاب بنانے کے لئے سارے ضروری اہتمام کئے تھے۔

Marfat.com

دیکھئے اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہجرت کے لئے پورا منصوبہ تیار ہے کہ جب نبی کریم ﷺ اپنے گھر سے نکلتے ہیں تو اہل مکہ آپ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں، انہوں نے ایک تاریک رات میں آپ ﷺ کے گھر کا گھیراؤ کیا ہوا ہے۔ سارے قبائل کے لوگ مشترکہ طور پر حملہ آور ہونے کے لئے تیار ہیں تاکہ کسی ایک کی شناخت بطور قاتل کے نہ ہو سکے۔ پھر قتل کے بعد سب مل کر زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ خون بہا یا فدیہ ادا کر دیں گے۔

یہ پلاننگ تھی قریش مکہ کی اور اس پلاننگ کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ نے بھی پلاننگ کی تھی۔ وہ قتل کرنے کا پلان کر رہے ہیں اور نبی کریم ﷺ دین کے پیغام کو انسانیت تک پہنچانے کا منصوبہ تیار کر رہے تھے۔ دونوں کے منصوبوں میں فرق ہے۔ اگرچہ قریش مکہ کا منصوبہ منفی ہے، وہ وقت کے داعی اور اللہ کے رسول کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں تو دوسری طرف بڑی تعمیری اور مثبت پلاننگ ہے، اپنی اور اپنے صحابہ کی جان کا تحفّظ بھی بہت اہم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو حق دیا کہ وہ اپنی عزت، جان اور آبرو کی حفاظت کرے، لیکن یہاں جس نقطہ کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اس آخری وقت میں جب لوگ قتل کرنے کے لئے آئے ہوئے ہیں گھر میں داخل ہونا چاہتے ہیں اس وقت بھی نبی کریم ﷺ کا اخلاقی مقام یہ ہے کہ انہی جان کے دشمنوں کی امانتیں آپ ﷺ کے پاس موجود ہیں، دشمنوں کو اس وقت بھی یقین ہے کہ بیشک ہم محمد ﷺ کو قتل کرنے تو جا رہے ہیں لیکن محمد ﷺ سے زیادہ سچا اور امانت دار بھی کوئی نہیں ہے۔ اور محمد ﷺ اس ہنگامی صورت حال میں بھی اہتمام فرما رہے ہیں کہ قریش کے لوگوں کی یہ امانتیں انہیں واپس پہنچ جائیں۔

Marfat.com

آپ ﷺ نے کوئی ایمرجنسی کا اعلان نہیں فرمایا کہ ہنگامی حالات کا اعلان کر کے سب کے مال کو ہڑپ کر جاتے یا اعلان کر دیتے کہ تم لوگ قتل کرنے کے لئے آ گئے ہو تم نے غیر قانونی اور غیر اخلاقی جنگ شروع کی ہے، اور حالت جنگ کے قوانین تو مختلف ہوتے ہیں۔ نہیں، اللہ کے رسول اس قسم کے حالات میں بھی بہت بلند اخلاق پر فائز ہوتے ہیں، ان کی نظر میں یہ امانتیں ہیں اور یہ امانتیں ہر حالت میں واپس کرنا ضروری ہیں، انہیں واپس کرنے کی ذمہ داری آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کے ذمہ لگائی کہ وہ پہلے اہل مکہ کی امانتیں واپس کر دیں اور پھر ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔

منصوبہ کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ جب یثرب ہجرت کریں گے تو اس کا روٹ کیا ہو گا؟ یہ پہلے سے منصوبہ تھا کہ غارِ ثور پہلی منزل کے طور پر طے شدہ مقام قیام ہو گی۔ یہاں آپ ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ طے شدہ منصوبہ کے تحت تشریف لائے۔ نبی کریم ﷺ کا پروگرام یہ تھا کہ اس غار میں تین دن ٹھہرا جائے اور ان تین دنوں کے اندر اس بات کا جائزہ لیا جا سکے کہ اہل مکہ کا ردعمل کیا ہو گا، وہ کیا سوچتے ہیں؟ قریش کے ردعمل کے بارے میں ساری اطلاعات آپ ﷺ کے پاس غار میں پہنچنی چاہئے۔ اطلاعات فراہم کرنے والوں کا تعین بھی کر دیا گیا تھا۔ یہ بھی متعیّن کر دیا کہ ہر روز ایک فرد آئے گا جو نبی کریم ﷺ کو اطلاعات فراہم کرے گا۔ کھانے پینے کے لئے تین دن خوراک یہاں کون پہنچائے گا اس کا بھی اہتمام کر دیا گیا اور یہ ساری چیزیں بالکل مخفی رکھی گئیں۔ کسی کو کچھ پتہ نہیں صرف یہ چند ہی افراد ہیں جو منصوبہ کو نتیجہ خیز بنانے کے ذمہ دار تھے، وہی جانتے تھے، ان کے علاوہ کسی کو کچھ پتہ نہیں تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ رفیق سفر ہوں گے یہ بھی طے تھا اور رفیق سفر کو معلوم تھا کہ پہلی منزل کہاں ہے؟ جنوب میں

Marfat.com

یمن کی طرف غارِ ثور ہے مدینے کے راستے میں غارِ ثور نہیں ہے، آپ ﷺ نے مدینے کے معروف راستے سے ہٹ کر ایک دوسرا راستہ اپنایا، یہ بہت ضروری تھا کہ سفر کے راستہ کو بھی خفیہ رکھا جائے کہ کسی کو پتہ نہ چلے۔ یہ راستہ بھی پہلے سے مقرر تھا، اس لئے کہ سفر کے لئے جو گائیڈ مقرر کیا گیا تھا جس کی ذمہ داری تھی کہ وہ مدینہ منورہ تک پہنچائے گا وہ غیر مسلم تھا۔ اس کے پاس پہلے سے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کو لے جانے والی اونٹنیاں موجود ہیں، اسے معلوم ہے کہ کہاں لے کر جانا ہے، وہ غارِ ثور اپنے مقررہ وقت پر لے کر آئے گا۔ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اونٹیوں کو لے کر تو غارِ ثور نہیں گئے تھے۔

اب ایک مشکل جو یہاں پیش آ رہی تھی وہ یہ تھی کہ غارِ ثور تک صحرائی راستہ ہے، یہاں اگر ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ روزانہ یہاں آتے ہیں اور آ کر دن بھر کی اطلاعات فراہم کرتے ہیں، اور پھر واپس جاتے ہیں تو عرب کھوجی تو نہیں چھوڑیں گے۔ وہ تو نشانات قدم دیکھ کر اس مقام تک بآسانی پہنچ جائیں گے۔ اگر رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے بیٹے غار تک گئے ہیں تو سفر کے نشانات تو ضرور ہوں گے۔ تو کیا قریش مکہ کو پتہ نہیں چل جائے گا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی جو اپنے بھائی کے ساتھ روزانہ کھانا لے کر آتی تھیں، دونوں بھائی اور بہن روزانہ تین روز تک رات کو غارِ ثور آتے رہے۔ ان کے قدم کے نشانات بھی صحرا میں موجود ہوتے تھے، اب ان نشانات قدم کو مٹانے کا بھی اہتمام کیا گیا۔ اس کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ ایک چرواہا جس کے ساتھ یہ طے ہوا کہ جب نبی کریم ﷺ یہاں سے جائیں گے تو وہ ریوڑ لے کر ایک جانب سے دوسری جانب جائے گا، تو اس طرح جو نشانات قدم ہوں گے سب ختم ہو جائیں گے۔ اس چرواہے کے ساتھ یہ طے

Marfat.com

تھا، وہ دونوں بہن بھائیوں کے آنے اور جانے کے بعد ریوڑ کو ادھر سے ادھر ادھر سے ادھر لے جاتا تھا جس سے سب کے نشانات قدم ختم ہو جاتے تھے۔ چرواہا یہ کام بڑی دیانت داری، رازداری اور سمجھ داری کے ساتھ انجام دیتا رہا۔ (5)

اس اہتمام کے ساتھ آپ ﷺ نے تین روز غار میں قیام کیا، تیسرے روز رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ غار سے نکل کر یثرب کی جانب روانہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہے کہ وہاں ایک نئی صورت حال پیش آئے گی۔ نبی کریم ﷺ کو معلوم تھا کہ مکہ والوں کی دشمنی ظاہر تھی، جبکہ یثرب والوں کی دشمنی ایسی نہیں ہو گی، ان کی دشمنی کھلم کھلا نہیں ہو گی بلکہ نفاق پر مبنی ہو گی۔ لہٰذا آپ ﷺ نے ایسے شہری نظم اور دفاع کا منصوبہ تیار کیا جس میں وہاں کے رہنے والے سب مل کر کام کریں۔ یہودیوں کے بہت سے قبائل آباد تھے، ان میں بڑے قبائل تو تین تھے لیکن ان کے علاوہ بہت سی چھوٹی چھوٹی شاخیں آباد تھیں۔ ان تمام قبائل کے ساتھ آپ ﷺ کو بہت سے معاملات طے کرنے ہیں۔ یہ سب کچھ منظّم منصوبہ کے بغیر ممکن نہیں تھا۔

وحدت امت کی منصوبہ بندی:

یثرب پہنچنے کے بعد ایک اور اہم اصول رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر رہا، وہ اصول امت مسلمہ کی وحدت تھی۔ مسلم امت، امت واحدہ ہے، اور ان کی وحدت کو ہر صورت برقرار رکھنا ہے۔ مستقبل کے منصوبوں کو طے کرتے ہوئے اس اصول کو رسول اللہ ﷺ نے سرفہرست رکھا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے امت کی وحدت کو محفوظ کرنے کے لئے امت مسلمہ کو تین قوتوں سے آراستہ کیا۔ علم، ایمان اور اخلاق، یہ تینوں چیزیں نمایاں طور پر مسلمانوں میں موجود تھیں۔ رسول اللہ ﷺ ان تینوں قوتوں کی بنیاد پر

Marfat.com

امت کی وحدت کو مزید مستحکم فرماتے ہیں۔ جب مسلمان اور اللہ کے رسول ﷺ یہاں تشریف لاتے ہیں تو آپ ﷺ یہاں ایک مستحکم اور منظّم معاشرہ قائم کرنے کے لئے یہاں آباد قبائل کے ساتھ پرامن ماحول اور پرسکون زندگی کے لئے ایسا دستور تیار کرتے ہیں کہ جو سب کے لئے قابل قبول ہو اور سارے قبائل مل کر یہاں کا داخلی اور خارجی نظام چلائیں۔ لیکن یہاں کی بعض قوتیں جنہوں نے نفاق کا راستہ اپنایا تھا، یہ کوششیں شروع کر دیں کہ مسلمانوں کی وحدت اور یکجہتی کو نقصان پہنچایا جائے۔ انصار و مہاجرین کے درمیان جو علاقائی یا تہذیبی فرق تھا اسے اجاگر کر کے باہم اختلاف پیدا کر دیا جائے یا علاقائی فرق کو ابھار کر اس قدر تعصّب پیدا کیا جائے کہ یہ آپس میں دست و گریباں ہو جائیں اور ان کی قوت کمزور پڑ جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے منافقین کی سازشوں کے پیش نظر امت مسلمہ کی وحدت کو برقرار رکھنے اور مضبوط کرنے کے لئے انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات کا عمل کرایا۔ یہ عمل ہجرت کے بعد شروع کرا دیا تھا۔ بعد میں عبداللہ بن ابی نے جب نیشنلزم کا نعرہ لگایا اور اہل یثرب کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے مہاجرین صحابہ چونکہ سرزمین یثرب کے باسی نہیں ہیں لہٰذا انہیں اس سرزمین سے نکال دیا جائے۔ ''لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ'' (6) ''ہم عزت والے لوگ ان کمزور لوگوں کو اپنی سرزمین سے نکال دیں گے''۔ عبداللہ بن ابی یہ علاقائی نعرہ لگا کر اور تعصّب کو ابھار کر یہ چاہتا تھا کہ مدینہ میں کسی نہ کسی طرح اس کی حکومت قائم ہو جائے اور مدینہ والے علاقائیت کی بنیاد پر اس کا ساتھ دیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس فتنہ کا علاج بالکل شروع میں ہجرت کے بعد ہی کر دیا

Marfat.com

تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی کی یہ سازش ناکام ہوگئی۔ یہ سب رسول اللہ ﷺ کے وہ فیصلے ہیں جن کے پیچھے ایک مدبر وراہبر کی جامع منصوبہ بندی نظر آتی ہے۔

آپ یہ دیکھئے کہ اس سازش کا سدباب کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ: آپ ﷺ نے امت کی وحدت کو مستحکم کرنے کے لئے مواخات کا ادارہ قائم فرمایا۔ یہ مواخات کا عمل محض سرسری عمل نہیں تھا بلکہ بہت سوچا سمجھا عمل تھا جو انصار و مہاجرین کو مزید قریب لانے اور باہمی اخوت و محبّت کو مضبوط کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے ان مدبرانہ فیصلوں میں ہمارے لئے واضح سبق ہے ہمیں بھی اسوہ حسنہ کے ان اصولوں کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ میں اپنی گفتگو کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں میں آپ سب لوگوں کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے بہت صبر و تحمل کے ساتھ میری گزارشات کو سنا۔

Marfat.com

حوالہ جات

1۔ القرآن، یونس:3

2۔ القرآن، المومنون: 115

3۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج1،ص334 تا 338

4۔ ایضاً، ج1،ص443 تا 446

5۔ ایضاً، ج1،ص486

6۔ القرآن، المنافقون:8

Marfat.com

تیسرا خطبہ

مشاورت: ایک دستوری اصول

سیرت طیبہ میں شوریٰ کا اصول بہت مضبوط اور قوی نظر آتا ہے۔ یہ وہ اصول ہے جس کا حکم قرآن حکیم میں آیا ہے۔ قرآن حکیم نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے صحابہ کرام سے مشورہ کا حکم دیا اور صحابہ کرام کا طرزِ عمل قرآن حکیم نے یہ بتایا کہ اُن کے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔ گویا قرآن کریم نے اصولی طور پر یہ بات طے کر دی تھی کہ مسلمان اپنے تمام امور کو باہمی مشورہ سے طے کر کے حل کریں گے۔ سیرت طیبہ کا مطالعہ کیجئے تو بعض صحابہ کی اس رائے کی تصدیق ہوتی ہے جس میں وہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر مشورہ کرنے والا کوئی اور نظر نہیں آتا۔ امت مسلمہ کے اجتماعی اور انتظامی امور میں صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کو مشورے دیا کرتے تھے، بلکہ آپ ﷺ نے تو اپنے صحابہ کو مشورہ کے سلسلہ میں اس قدر جری کر دیا تھا کہ وہ اپنی رائے کا بلا جھجک اظہار کر دیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے کتنے مشورے ایسے تھے جن کی تائید وحی الٰہی نے کی۔ غزوات کا سلسلہ ہو یا مملکت و معاشرہ کے انتظامی امور، قضاء کا معاملہ ہو یا دعوت و تبلیغ کا معاملہ، ہر جگہ ہمیں رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام سے مشورے کرتے نظر آتے ہیں۔ ہاں جس معاملہ میں وحی الٰہی آ جاتی وہاں مشورہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ بس وحی الٰہی کے مطابق عمل کیا جاتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کا اسلوب مشورہ:

رسول اللہ ﷺ کا اسلوب مشورہ بھی بہت دلچسپ اور تعلیمی انداز کا ہوتا تھا۔ کبھی حضرت علیؓ کو کم سنی میں قاضی مقرر فرماتے ہیں تو حضرت علیؓ اپنی کم سنی اور علم قضاء

Marfat.com

کے بارے میں اپنی کم علمی کا اظہار کرتے ہیں تو آپ ﷺ انہیں قضاء کے اصول سمجھاتے ہیں، کبھی معاذ بن جبلؓ کو یمن میں انتظامی اور عدالتی ذمہ داریاں سپرد فرماتے ہیں تو حضرت معاذ سے سوال کرتے ہیں کہ معاذ بتاؤ فیصلے کیسے کروگے؟ (1)

واقعہ افک پیش آیا اور نزول وحی میں تاخیر ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ، حضرت علیؓ، حضرت بریرہؓ اور حضرت زینب بنت جحشؓ سے مشورے کئے اور حضرت عائشہؓ کے بارے میں پوچھتے رہے۔ ان سے مشوروں کے بعد رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے، آپ ﷺ نے لوگوں سے خطاب فرمایا۔ ''اشیروا علی فی اناس ابنوا اھلی'' (2) ''لوگو مجھے مشورہ دو ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے میرے گھر والوں پر تہمت لگائی''۔ اس خطبہ میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے احساسات غم کا بہت مؤثر انداز میں اظہار فرمایا۔

قرآن حکیم میں شوریٰ کا حکم:

سیرت طیبہ کا صحیح مطالعہ قرآن حکیم ہی کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے۔ قرآن حکیم نے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ دونوں کو مشاورت کا پابند کیا ہے۔ سورۃ آل عمران میں رسول اللہ ﷺ کے لئے حکم ہے کہ؛

''وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ'' (3)

''کہ اے محمد ﷺ آپ اپنے صحابہ سے مشورہ کیجئے''۔

دراصل آپ ﷺ کا اپنے صحابہ کرام سے مشورہ کرنا مظہر ہے اس رحمت و محبّت کا جو آپ کو اپنے صحابہ کرام سے تھی۔ اس میں صحابہ کرام کا بھی اعزاز و اکرام ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کا مشیر بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ حضرت حسن بصری اور حضرت

Marfat.com

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو صحابہ سے مشورہ کرنا اگرچہ بحیثیت رسول ضروری نہیں تھا، لیکن یہ حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ شوریٰ آپ ﷺ کے بعد والوں کے لئے اسوۂ حسنہ کا حصہ بن جائے، اور آپ کے عمل کی وجہ سے ایسی سنت قائم ہو جائے کہ آنے والے لوگ ہر دور اور ہر زمانہ میں اس کی پابندی کریں۔

قرآن حکیم میں مسلمانوں کے اجتماعی نظم کے سلسلہ میں ارشاد ہے:

"وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَo" (4)

"اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہا، قیام نماز کا اہتمام کیا، اور باہمی معاملات مشورہ سے طے کئے اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں"۔

اس آیت میں مسلمانوں کے اجتماعی نظم کا نقشہ بتا دیا گیا ہے، اور شوریٰ کی حیثیت بھی ظاہر کر دی گئی ہے کہ اسلام کے دو بنیادی ارکان، اقامت صلوٰۃ اور انفاق، کے درمیان شوریٰ کو بیان کیا گیا۔

ہمارے وہ مفسّرین جو فقہی اور قانونی بصیرت رکھتے ہیں وہ ان آیات کی بنیاد پر تمام اجتماعی امور میں مشاورت کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ "ویدل علی انھا مأمورون بھا" قرآن حکیم کا یہ اسلوب بتا رہا ہے کہ صحابہ کرام مشورہ کرنے کے لئے مامور تھے۔

خود رسول اللہ ﷺ کے بارے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: "ما رأیت احدا اکثر مشورۃ لاصحابہ من رسول اللہ لأصحابہ" "میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مشورہ کرنے والا کوئی اور نہیں دیکھا"۔ ابن عطیہ نے رسول اللہ ﷺ کی

Marfat.com

سیرت طیبہ میں اس کثرت مشاورۃ کا مشاہدہ کیا تو انہوں نے شوریٰ کو شریعت کا اصول قرار دیا کہ: ''الشوریٰ من قواعد الشریعة و عزائم الاحکام'' ''شوریٰ محکم احکام اور شریعت کے اصولوں میں سے ایک اہم اصول ہے''۔ یقینی بات ہے کہ شریعت کے کسی اصول کو ہم نظرانداز نہیں کر سکتے۔

شوریٰ عہد خلافت راشدہ میں:

رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں بھی مسلمانوں کے اجتماعی امور میں تمام فیصلے شوریٰ کی بنیاد پر کئے جاتے تھے۔ خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ ہو یا جمع و تدوین قرآن کا مسئلہ، مانعین زکوٰۃ کے خلاف کاروائی ہو یا مفتوحہ زمینوں کی آبادکاری کا مسئلہ، ہر اہم مسئلہ باہمی مشاورت سے حل کیا جاتا تھا۔ دور خلافت راشدہ میں امت کے اجتماعی امور میں اجتہاد بھی اجتماعی بنیاد پر ہوتا تھا نہ کہ انفرادی بنیاد پر، اس لئے کہ صحابہ کرام خوب سمجھتے تھے کہ ''ید اللہ علی الجماعة'' (5) ''اتفاق اور جماعت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت رہتی ہے''۔ وحدت و اتفاق اور اجتماعیت میں برکت ہے۔ شوریٰ اجتماعیت اور اتفاق پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

ابوحیان نے اپنی معروف تفسیر ''البحر المحیط'' میں شوریٰ کے تین فوائد کا ذکر کیا ہے۔ پہلا فائدہ ''اجتماع الکلمه'' یعنی شوریٰ کی وجہ سے باہمی اتحاد و اتفاق پیدا ہوتا ہے، جو رائے طے ہو جائے یا جو قانون اور ضابطہ باہمی اتفاق سے طے ہو جائے تو اس پر سب مل کر عمل درآمد کرتے ہیں، جو وحدت اور اجتماعیت کے لئے ضروری ہے۔ دوسرا فائدہ ''التحاب'' یعنی باہم ایک دوسرے کے ساتھ محبّت و تعلّق پیدا ہوتا ہے، اس لئے کہ اسلام کے اخلاقی نظام کا سب سے اہم اصول اخلاص ہے اگر مشاورت کا نظم

Marfat.com

اخلاص کی بنیاد پر ہو تو پھر وہ باہم ہمدردی، محبّت اور تعاون کا ذریعہ بنتا ہے۔ اور تیسرا فائدہ "التعاضد علی الخیر" معاشرہ میں بھلائی اور فلاح و بہبود کے کاموں میں ایک دوسرے کی بھرپور مدد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ (6)

جس معاشرہ میں ایک دوسرے کے لئے ہمدردی کے جذبات پیدا ہوں، اور لوگ خیر و بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اسی معاشرہ میں اتحاد و یکجہتی پیدا ہوتی ہے اور ایسے ہی معاشرہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ "یداللہ علی الجماعۃ" "کہ اللہ کا دست رحمت جماعت پر ہوتا ہے"۔

عہد رسالت میں بہت سے دفاعی امور ایسے ہوتے تھے کہ ان کے بارے میں جو کچھ باہمی مشورہ سے طے کیا جائے اسے خفیہ رکھا جائے۔ خصوصاً دفاعی امور میں فیصلوں کو خفیہ رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں غزوات اور دفاعی امور سے متعلّق اس بات کا خاص طور پر اہتمام کیا جاتا تھا کہ مشاورت بھی کی جائے اور فیصلے کو راز میں بھی رکھا جائے۔

شوریٰ کا طریق کار:

رسول اللہ ﷺ کا مشاورت کا طریق کار یہ تھا کہ آپ ﷺ پہلے لوگوں کی آراء کو غور سے سنتے تھے، اپنی رائے کا پہلے اظہار نہیں فرماتے تھے، اس لئے کہ آپ کی رائے سامنے آجانے کے بعد لوگوں کے لئے اپنی رائے کا اظہار مشکل ہو جاتا۔ لوگوں کی آراء میں سے جو رائے زیادہ معقول ہوتی آپ ﷺ اسے قبول فرما لیتے تھے۔ غزوہ بدر میں مسلم افواج کے پڑاؤ کے لئے جگہ کا انتخاب آپ کے ایک صحابی کی رائے پر کیا گیا تھا۔ اس واقعہ سے یہ بات اصولی طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ مشاورت کی صورت میں جو

Marfat.com

اچھی اور معقول رائے ہو قائد کو چاہئے کہ وہ اسے قبول کر لے، اور اس کے مقابلہ میں اگر اپنی بھی کوئی رائے ہو تو اسے ترک کر دے، اس لئے کہ یہ تو سنت سے ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی رائے چھوڑ کر اپنے صحابی کی رائے کو اختیار فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر تو کوئی بڑا قائد نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جب رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے اچھے مشوروں کو قبول فرما کر ان پر عمل فرماتے تھے تو اب تمام قائدین کے لئے یہ اصولی ہدایت طے ہو گئی ہے کہ مناسب رائے کو بغیر کسی معقول دلیل کے رد نہیں کیا جا سکتا۔

سربراہ مملکت شوریٰ کے فیصلوں کا پابند ہے:

ابوبکر جصاص جو اپنی قانونی اور اصولی فکر میں بہت ممتاز فقیہ ہیں، اس بات کے قائل ہیں کہ قائد شوریٰ کے فیصلوں کا پابند ہے، حضرت علیؓ بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عزم کا مفہوم دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "مشورة أهل الرأي ثم اتباعهم" "عزم کا مطلب یہ ہے کہ صاحب رائے لوگوں سے مشورہ کیا جائے پھر ان کی رائے پر عمل کرتے ہوئے اسے نافذ کیا جائے"۔ "ثم اتباعهم" کے الفاظ اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ اہل مشورہ کی رائے پر عمل کرنا ضروری ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت اور ابوبکر جصاص کی رائے کی روشنی میں یہ بات طے ہے کہ حکومت شوریٰ کے مشوروں کی پابند ہو گی۔

ارکانِ شوریٰ کی اہلیت و قابلیت:

یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ ارکان شوریٰ کی قابلیت اور لیاقت کیا ہونی چاہئے؟ کیا ہر شخص بغیر کسی صلاحیت اور لیاقت کے قانون سازی اور نظم مملکت کے بارے میں رائے دے سکتا ہے یا ان کے لئے علم و لیاقت اور صلاحیت کا کوئی معیار طے ہونا چاہئے۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں بھی ایک معیار رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو دعوت اسلامی کے آغاز سے ہی تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ جو لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوتے تھے ان کی علمی، فکری اور اخلاقی تعلیم و تربیت نے ان میں بہت بڑی تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ پھر انہی تربیت یافتہ لوگوں میں اہل الرائے، صاحب وفکر نظر لوگوں سے مشاورت کی جاتی تھی۔ صحابہ کرام میں سابقین اولین، اہل بدر، عشرہ مبشرہ وغیرہ کو ترجیح حاصل رہی ہے۔ بعد میں خلفاء راشدین کے عہد میں بھی یہ لوگ نمایاں رہے۔ قراء (اہل علم و فضل) خاص طور پر مشاورت میں نمایاں رہتے تھے۔ مشورہ میں شرکت کے لئے ایک اور قابلیت بھی اہم سمجھی جاتی تھی وہ دین اور معاشرہ کے لوگوں کی خدمت تھی، جو لوگ خدمت خلق میں نمایاں ہوتے تھے اقامت دین کے لئے جن کی خدمات نمایاں ہوتی تھیں وہ خود بخود ابھر کر معاشرہ میں ایک باعزت مقام پا لیتے تھے۔

علامہ آلوسیؒ کے نزدیک ارکان شوریٰ کے لئے مذکورہ اوصاف کے ساتھ ان کا ذہین و عقلمند ہونا اور صاحب کردار ہونا بھی ضروری ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ سے مشیروں کی قابلیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا ''لیکن اھل مشورتک اھل التقوی، والأمانه ومن یخش اللہ تعالی'' کہ آپ کو مشورہ دینے والے لوگ متقی، امانت دار اور خوف خدا رکھنے والے ہونا چاہئیں۔ (7)

قرآن کریم کے مطالعہ سے تین لازمی اوصاف سامنے آتے ہیں، ان میں سرفہرست اخلاص ہے۔

''اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰهَ مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّیۡنَ ○ اَلَا لِلّٰهِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ'' (8)

Marfat.com

''ہم نے یہ کتاب آپ پر حق کے ساتھ نازل کی ہے لہٰذا آپ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کیجئے یاد رکھئے دین خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے''۔

''قُلْ اِنِّیۡۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ'' (9)

''کہہ دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں، دین کو خالص اسی کے لئے قرار دیتے ہوئے''۔

''وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ'' (10)

''اور اسی ہستی کو پکارو، دین وعبادت خالصاً اسی کے لئے رکھو''۔

''وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ'' (11)

''اور ہم تو اسی کے ساتھ مخلص ہیں''۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اخلاص کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ جو عمل بھی کیا جائے وہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے ہونا چاہئے، دوسرا پہلو یہ ہے کہ عمل کرنے والے میں عاجزی اور انکساری ہو۔ یہ دونوں پہلو پائیں جائیں گے تو مشورہ امت میں وحدت کا سبب بنے گا تفرقہ کا نہیں۔

دوسری صفت یہ ہے کہ مشورہ دینے والا صاحب علم ہو، کم از کم زیر بحث معاملہ کے بارے میں علم وبصیرت رکھتا ہو۔ قرآن حکیم اس بات پر زور دیتا ہے کہ جب علم پر مبنی بات آجائے تو اسے قبول کر لینا چاہئے۔ سورۂ شوریٰ کی اس آیت مبارکہ میں غور کیجئے:

''وَمَا تَفَرَّقُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ'' (12)

''یہ لوگ تفرقہ کا شکار ہوئے علم آجانے کے بعد محض آپس کی سرکشی کی وجہ سے''۔

Marfat.com

گویا علم پر مبنی بات کو محض سرکشی، بغض وحسد کی وجہ سے رد کیا جائے تو اس کا نتیجہ تفرقہ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور تفرقہ پھیلانا حرام ہے۔

مشیروں کے لئے تیسری صفت یہ ہے کہ ان کی رائے دلیل پر مبنی ہو۔ کسی کی بات کو معقول دلیل کو بغیر کسی وجہ کے رد نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن حکیم نے ان اہل کتاب کی مذمت کی ہے جنہوں نے دلیل (بینه) کو جھٹلایا، دلیل کو بلا دلیل رد کر دیا۔ (13)

عالم اسلام کے معروف قانون دان فقیہ عبدالقادر عودہ شہیدؒ نے اپنی مشہور کتاب ''الاسلام واوضاعنا السیاسیه'' میں اہل شوریٰ کے تین اوصاف کو ذکر کیا ہے، ان میں سرفہرست عدالت ہے۔ عدالت سے مراد ایسا فرد ہے جس کی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو۔ فرائض کی ادائیگی پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام دیتا ہو۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی فضائل اخلاق سے آراستہ ہو اور ارتکاب معاصی اور خلاف اخلاق باتوں سے اجتناب کرتا ہو۔

دوسری صفت علم ہے۔ جو اپنے وسیع مفہوم میں مستعمل ہے۔ کسی ایک شعبہ میں علمی مہارت کافی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ شوریٰ کے تمام ارکان اجتہادی بصیرت کے حامل ہوں، بلکہ ارکان پارلیمان کی اکثریت میں اجتہادی بصیرت کا ہونا کافی ہے۔

تیسری صفت حکمت ورائے ہے۔ شوریٰ کے ارکان حکمت وبصیرت کے حامل ہوں۔ تجربہ کار اور معاملہ فہم ہوں تاکہ ملکی اور ملی معاملات میں بصیرت وحکمت پر مبنی رائے آزادانہ پیش کر سکیں۔ بہرحال اہلیت وصلاحیت کا مسئلہ ایک اجتہادی معاملہ ہے۔ ہر دور اور ہر زمانہ میں حالات وضرورت کے مطابق ان میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے۔ لیکن کچھ اوصاف لازمی ہیں انہیں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ (14)

Marfat.com

ابن عطیہ کے اس قول پر میں اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں کہ ''الشوریٰ من قواعد الشریعة و عزائم الأحکام'' ''شوریٰ شریعت کا ایک اہم اصول ہے اور محکماتِ احکام سے اس کا تعلق ہے''۔ ہمارے سیاسی ادب میں یہ جملہ شوریٰ کی دستوری حیثیت کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور ہمارے سیاسی و انتظامی قائدین کو دین کے ان اہم اصولوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

Marfat.com

حوالہ جات

1۔ احمد، احمد بن محمد بن حنبل، امام، المسند، ج 5، ص 230؛ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، امام، السنن، (ح: 3592)؛ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی (ح: 1327)

2۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، (ح: 4141)

3۔ القرآن، آل عمران: 159

4۔ القرآن، الشوریٰ: 38

5۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام، جامع الترمذی، (ح: 2167)، وقال: غریب

6۔ اندلسی، ابوحیان، البحر المحیط

7۔ آلوسی، روح المعانی

8۔ القرآن، الزمر: 3-2

9۔ القرآن، الزمر: 11

10۔ القرآن، الاعراف: 29

11۔ القرآن، البقرہ: 139

12۔ القرآن، الشوریٰ: 14

13۔ القرآن، البینۃ: 4

14۔ عودہ، عبدالقادر الشہید، الاسلام واوضاعنا السیاسیۃ

Marfat.com

چوتھا خطبہ

اسوۂ حسنہ اور اصول ترجیحات و اصول تدریج

ہماری گفتگو سیرت کے موضوع پر چل رہی ہے۔ ہم نے منصوبہ بندی پر گفتگو کی اور اس کے بعد شوریٰ پر بحث کی ہے۔ یہ وہ اصول ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ سے ایک اصول کے طور پر ماخوذ ہیں۔ جب ہم اصول کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس اصول کو ایک دستوری حیثیت حاصل ہوتی ہے جس پر عمل کرنا لازمی ہوتا ہے۔ آج کے محاضرہ میں ہم ترجیحات کے اصول پر گفتگو کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ مختلف صورتحال میں اپنے منصوبوں کے مطابق ترجیحات کو طے کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ اس بات کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے کہ اپنے دور کے موجودہ معاشرتی اور سیاسی حالات میں فیصلے کس طرح کرنے چاہئیں اور یہ کہ ان حالات میں ملّی ضروریات اور ان ضروریات میں ترجیحات کیا ہوں گی، کچھ ترجیحات وہ تھیں جو مستقل تھیں جو آپ ﷺ کی تیئس سالہ زندگی کا حصہ رہیں۔ ان مستقل ترجیحات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا گیا۔ امت کے سارے ڈھانچہ کی تشکیل ان تین بنیادوں پر ہوئی ہے۔ جس میں سرفہرست علم ہے جس پر ہم گفتگو کر چکے ہیں۔ دوسرا استون ایمانیات کا ہے اس پر بھی ہم گفتگو کر چکے ہیں، اخلاقیات پر ہماری گفتگو چل رہی تھی۔ اخلاقیات کے ایک پہلو کی میں ضرور وضاحت کروں گا۔ یہ بات تو میں کل بھی آپ کے سامنے عرض کر چکا ہوں کہ اخلاق ایمان کا ایک لازمی حصہ ہے۔ اس کو ایمان سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ جتنی اہمیت ایمان کی ہے اتنی ہی اہمیت اخلاقیات کی ہے۔ اخلاقیات پر سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ ایک مومن کے لئے اخلاقی اقدار کی خلاف ورزی ناممکن ہے۔ جب ہم اخلاقیات کی بات کرتے ہیں تو اس کے دو پہلو نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ ہمیں دونوں پہلوؤں کو سمجھنا چاہئے۔

Marfat.com

اعلیٰ اخلاقی اقدار کی تعلیم آپ ﷺ کی ترجیحات میں شامل ہے:

نبی کریم ﷺ نے سیرت طیبہ کے ذریعہ جو تعلیم دی ہے اس کا آغاز باطن کی اصلاح سے ہوتا ہے۔ اگر ہم نے باطن کی اصلاح نہ کی تو ہم اپنے ظاہری اعمال کی اصلاح بھی نہیں کر سکیں گے۔ انبیاء علیہم السّلام باطن کی اصلاح کے کام کا آغاز امراض قلبیہ کی تشخیص سے کرتے ہیں اور لوگوں کو بتاتے ہیں کہ ان میں امراض قلبیہ کیا ہیں؟ امراض قلبیہ میں سرفہرست تکبّر، نفاق، حسد، بغض، کینہ، تعصّب، نفرتیں، حقارتیں اور عداوتیں ہیں۔ یہ سب قلبی امراض ہیں ان کی تشخیص بھی کرنا ہوگی اور ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے صحیح علاج کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السّلام مرض کی صرف تشخیص ہی نہیں کرتے بلکہ علاج بھی تجویز کرتے ہیں اور پرہیز بھی بتاتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ جب تک تکبّر کا روگ قلب کو لگا رہتا ہے، اس وقت تک اخلاص پیدا نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا تطہیر قلب اور تزکیہ نفس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے امراض قلبیہ کی تشخیص کر کے قلب کو ان امراض سے پاک صاف کیا جائے پھر اخلاص، تقویٰ، توکل، احسان، صبر، شکر وغیرہ اعلیٰ اوصاف سے قلب کو منور کیا جا سکتا ہے۔ یہ مقصد تزکیہ نفس ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔ تزکیہ کے لفظ پر غور کیجئے اس کے دو مفہوم نمایاں نظر آتے ہیں۔ ایک ارتقاء، دوسرے تطہیر۔ پہلے تطہیر کا عمل شروع ہوتا ہے۔ پھر ارتقائی مرحلہ میں جب انسان میں اعلیٰ اخلاقی اوصاف پیدا ہوتے ہیں تو انسان کی نہ صرف شخصیت و کردار میں نکھار پیدا ہوتا ہے بلکہ اس کے گردوپیش کا ماحول بھی بدلتا ہے۔ اعلیٰ تہذیب اور مضبوط تمدن ابھرتا ہے۔ یہ سب کچھ اخلاقیات کے دائرے میں آتا ہے۔

جو قوم علم کی دولت سے آراستہ ہو، ایمان ان کے دل و دماغ میں راسخ ہو

Marfat.com

جائے اور ان کے رویے اور کردار اعلیٰ اخلاقی اقدار کے مطابق ڈھل جائیں تو پھر وہ قوم ایک امت کی شکل میں ڈھل جاتی ہے۔ اسی امت کو قرآن حکیم نے ''خَیْرَ اُمَّةٍ'' (1) یا ''اُمَّةً وَّسَطًا'' (2) کہا ہے۔ علم وایمان اور اخلاق کی قوت مجتمع ہوتی ہے تو پھر امت واحدہ وجود میں آتی ہے جو اقوام عالم میں اپنا تعمیری کردار ادا کرتی ہے۔ یہ وہ تین بنیادی ستون ہیں جن کے بغیر معاشرہ میں اصلاحات اور قوانین کا نفاذ بہت مشکل ہوتا ہے۔

قانون پر عمل درآمد کے لئے حقیقی قوت محرکہ:

رسول اللہ ﷺ نے دستوری اور قانونی اصلاحات کا نفاذ ان تین اصولوں کی بنیاد پر فرمایا تو آپ ﷺ کا تجربہ بہت کامیاب رہا اور کبھی بھی کسی قانون کے نفاذ اور اس پر عمل درآمد میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی۔ ہم نے ان بنیادوں کو نظر انداز کر کے نفاذ شریعت کا آغاز حدود کے نفاذ سے کیا۔ اس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے۔ اس تجربہ سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے منہج اور آپ ﷺ کی سنت کی پیروی کی جائے تو نفاذ شریعت کی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔ صرف ایک مثال پر غور کر لیجئے اسی سے اندازہ ہو جائے گا کہ معاشرہ میں مذکورہ تین بنیادیں موجود ہوں تو قانون کا نفاذ کس قدر آسانی سے ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں جب حرمت شراب والی آیات کے نزول کے بعد اعلان کروایا کہ شراب ممنوع قرار دے دی گئی ہے تو سارے مدینہ میں فوری طور پر عمل درآمد شروع ہو جاتا ہے۔ کوئی شخص یہ سوال نہیں اٹھاتا کہ اعلان کرنے والا کون ہے۔ کیا وہ واقعی رسول اللہ ﷺ کا نمائندہ ہے؟ یا کسی نے یہ سوچا ہو کہ اس وقت تو میں نے شراب نوشی کی تیاری کی ہوئی ہے اس وقت تو پی لوں پھر جب رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوگی تو تحقیق کر لوں گا کہ واقعی شراب حرام قرار دے

Marfat.com

دی گئی ہے تو پھر میں بھی اسے ترک کردوں گا۔ اس قسم کے سوالات اور ہچکچاہٹ کے بغیر مکمّل طور پر حرمت شراب کے قانون پر عمل درآمد شروع ہوگیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ تین بنیادوں پر تربیت نے ہر فرد کے اندر اس قدر مضبوط ضمیر پیدا کردیا تھا کہ اس قوت کی موجودگی نے فوری طور پر لوگوں کو عمل درآمد پر آمادہ کردیا۔ اس آمادگی اور عمل درآمد میں عمل کا جذبہ اور شوق سب سے بڑا محرک تھا، یقیناً اس محرک کے ساتھ ساتھ خلاف ورزی کی صورت میں قانون کی گرفت سے زیادہ آخرت میں عذاب کا خوف بھی ایک قانونی محرک کے طور پر کارفرما تھا۔ یہ دو محرک نہ ہوں تو محض پولیس کی قوت اور جاسوس اداروں کے کارندوں کی چابک دستی سے جرائم کی روک تھام مشکل ہوتی ہے۔ مثلاً آج کے دور میں بہت سے قوانین موجود ہیں۔ مثال کے طور پر ایک قانون رشوت کی حرمت یا جرم ہونے کا موجود ہے۔ لیکن رشوت ستانی اوپر سے لے کر نیچے تک بھیانک انداز میں ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔ قانون پر عمل درآمد نہیں ہو پا رہا ہے، اس لئے کہ قانون کے پیچھے آج یہ تین قوتیں موجود نہیں ہیں، نہ علم کی قوت ہے، نہ ایمان کی، نہ ہی اخلاقی اقدار کی۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ان تینوں ستونوں کو ہمیشہ ترجیح حاصل رہی ہے۔ آپ ﷺ نے انہیں کبھی کمزور نہیں پڑنے دیا۔

مدنی زندگی کے آغاز کی ترجیحات:

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ ﷺ نے ترجیحات طے کیں۔ دراصل مدینہ منورہ مکہ مکرمہ کے برعکس ایک بالکل مختلف چھوٹی چھوٹی بستیوں پر مشتمل ایک خطہ تھا۔ جہاں متفرق جنگی گروہ ایک دوسرے کے ساتھ برسر پیکار تھے جبکہ مکہ مکرمہ ایک منظّم مملکت کے طور پر متعارف تھا۔

Marfat.com

سرزمین یثرب میں مسلمانوں کو ایک نئے تجربہ یا مشکل سے واسطہ پڑا۔ وہ مشکل یہ تھی کہ یہاں انہیں منافقین سے واسطہ پڑا، جنہوں نے شروع سے ہی خفیہ سازشیں شروع کر دی تھیں۔ ان لوگوں نے بظاہر اسلام کا اظہار کیا لیکن اندرون خانہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے مسلمانوں کے دشمنوں خصوصاً قریش مکہ کے ساتھ خفیہ روابط قائم کر کے سازشوں کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ یہ وہ سماجی مرض تھا جس سے اہل مکہ واقف نہیں تھے۔ وہاں جو دوست تھا وہ ظاہر و باطن ہر حالت میں دوست تھا، اور جو دشمن تھا وہ کھلم کھلا دشمن تھا۔ مدینہ منورہ میں اس گروہ نے ایک نئی صورت حال پیدا کر دی تھی۔ اس صورتحال سے نمٹنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے کچھ ترجیحات طے فرمائیں۔

پہلے اس بات کو ترجیح دی کہ امت مسلمہ کی وحدت اور باہمی اخوت کو ہر صورت برقرار رکھا جائے، اور کسی صورت بھی وحدت کو پامال نہ ہونے دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ یثرب کے منافقین نے یہ سازش کرنا شروع کر دی ہے کہ انصار و مہاجرین کے درمیان کسی نہ کسی طرح تفریق پیدا کر دی جائے، یثرب والوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ انصار و مہاجرین کے درمیان ایک تہذیبی فرق رہا ہے۔ مہاجرین کا تعلق بدوی تہذیب سے تھا اور انصار کا تعلق زرعی تہذیب سے تھا۔ مدینہ منورہ میں دو مختلف تہذیبوں کا اجتماع ہو گیا تھا۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے اس تہذیبی فرق کی بنیاد پر انصار و مہاجرین کے درمیان تعصبات کو ابھار کر باہم اختلاف و تفرقہ پیدا کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس نے دعویٰ کیا کہ ہم یثرب کے قدیم باسی ہیں، اور اس دھرتی کے سپوت ہیں، لہٰذا اس سرزمین پر صرف ہمارا حق ہے۔ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی تو یہاں بیرونی عناصر ہیں، یہاں کے معاملات میں ان کا کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہئے، ہم ان مہاجرین کو اپنی سرزمین سے نکال باہر

Marfat.com

کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس فتنہ سے نمٹنے کے لئے اور انصار و مہاجرین کے درمیان تہذیبی فرق کو ختم کرنے کے لئے ترجیحی بنیاد پر مواخات کا ادارہ قائم فرمایا۔ اس وقت مواخات کا بنیادی مقصد تو یہ تھا کہ زرعی تہذیب اور صحرائی و بدوی تہذیب کے لوگوں کو ایک دوسرے کے مزید قریب لانے اور قدیم تہذیبی فرق کو ختم کرنے کے لئے ایسے اقدامات کئے جائیں کہ منافقین کی یہ سازش ناکام ہو جائے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد جلد ہی انصار و مہاجرین کو مواخات کے ذریعہ ایک چھت تلے جمع کر دیا تاکہ قدیم تہذیبی اختلاف ختم ہو جائے اور علم، ایمان اور اخلاقی اقدار کی بنیاد پر ایک نئی تہذیب ابھر کر سامنے آئے۔ نیز انصار و مہاجرین کے درمیان اسلامی اخوت اور امت کی وحدت اس قدر مضبوط ہو جائے کہ منافقین کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں۔ تاریخ نے یہ ثابت کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بہت بروقت اور صحیح فیصلہ کیا تھا۔ ۵ھ میں غزوہ بنو مصطلق کے موقعہ پر عبداللہ بن ابی نے جو خطرناک چال چلی تھی وہ اسی لئے ناکام ہوئی کہ مواخات کا ادارہ، جو ہجرت کے پہلے ہی سال میں قائم کیا گیا تھا، اپنا کام کر رہا تھا۔

مواخات کے اہم مقاصد:

انبیاء علیہم السّلام بہت صاحب بصیرت ہوتے ہیں۔ وہ ایک ادارہ قائم کر کے بہت سے اعلیٰ مقاصد حاصل کر لیتے ہیں۔ مواخات کے ذریعہ بھی آپ ﷺ کے پیش نظر بہت سے مقاصد تھے۔ ہم نے یہاں صرف امت کی وحدت اور مسلمانوں کے درمیان باہمی اخوت و محبّت کو ذکر کیا ہے۔ دیگر مقاصد کو مختصراً ذکر کرنا مناسب ہو گا۔ مواخات کے ذریعہ دوسرا مقصد تعلیم کو فروغ دینا تھا، اس لئے کہ علمی ارتقاء امت کی

Marfat.com

وحدت کے لئے ضروری عنصر تھا۔ مواخات کے عمل کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ نے ہر گھر کو ایک تعلیمی ادارہ کی شکل میں ڈھال دیا تھا، تا کہ انصار جو دینی علوم میں ۱۳ سال پیچھے تھے وہ ان علوم کو مہاجرین سے حاصل کریں۔ نیز اہل مکہ سے تجارتی علوم بھی سیکھیں اور زراعت کا علم جس میں انصار ماہر تھے وہ مہاجرین کو منتقل کریں۔ اس طرح مختلف علوم میں مہارت ترقی اور استحکام کی نئی نئی راہیں کھلیں گی۔

تیسرا مقصد یہ تھا کہ یثرب کی معیشت اور تجارت پر یہودیوں کا پوری طرح قبضہ تھا۔ آپ ﷺ یہ چاہتے تھے کہ انصار و مہاجرین مل کر زراعت و تجارت میں مل جل کر اس طرح محنت کریں کہ یہودیوں کی اجارہ داری ختم ہو جائے۔

چوتھا مقصد یہ تھا کہ معاشرہ کا وہ طبقہ جو سب سے زیادہ نظر انداز کیا ہوا تھا اور قدیم زمانہ سے بہت گرا ہوا طبقہ سمجھا جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ اس طبقہ کو بالکل نچلی سطح سے اٹھا کر انہیں معاشرہ کے دیگر معزز طبقوں کی صف میں کھڑا کیا جائے۔ یہ طبقہ غلاموں اور موالی کا تھا۔ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ یہ طبقہ بھی علمی، تہذیبی اور سیاسی معاشرتی طور پر بلند ہو اور معاشرہ کے ارتقاء میں اپنا کردار ادا کرے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے مواخات کے ذریعہ بعض موالی کو ایسے لوگوں کا بھائی بنایا جو عہد رسالت کے معاشرہ میں بہت نمایاں مقام رکھتے تھے۔ اسلامی اخوت اور برابری کی سطح پر ساتھ رہنے اور عزت واحترام کا سلوک ملنے کی وجہ سے ان میں بہت جلد وہ تبدیلیاں آئیں جو دیگر اقوام ایسے لوگوں میں صدیوں میں بھی پیدا نہیں کر سکتیں۔

دستورِ مدینہ کی تیاری:

مدینہ منورہ میں ایک منظم اور پرامن معاشرہ کے قیام کے لئے جہاں امت

Marfat.com

مسلمہ کی وحدت اور باہمی اخوت کو مستحکم رکھنے کے لئے مواخات کا اہتمام فرمایا وہاں ایک اور ترجیح بھی پیش نظر تھی، اور وہ مدینہ منورہ کے اجتماعی نظم کو بہتر بنانے اور مختلف مذاہب وقبائل کے لوگوں کو مل جل کر پرامن رہنے اور داخلی نظام کو مضبوط کرنے کے لئے ایک ایسے دستور کو مرتب کرنا تھا جو وہاں آباد سب لوگوں کے لئے قابل قبول ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد جلد ہی دستور مدینہ پر کام شروع کر دیا۔

یہ بات میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ مدینہ منورہ میں انصار ومہاجرین کے علاوہ دیگر مذاہب کو ماننے والے بھی آباد تھے۔ یہاں مشرکین بھی تھے اور اہل کتاب بھی۔ اہل کتاب میں یہودیوں کے تین بڑے قبائل تھے۔ بنونضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع۔ ان میں سے ہر ایک کی بہت سی شاخیں تھیں۔ اسی طرح اوس وخزرج بڑے قبائل تھے اور ہر قبیلہ کی شاخیں آباد تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے آنے سے قبل یہ لوگ خون ریز قسم کی جنگوں میں الجھے ہوئے تھے۔ جنگ بعاث کی یادیں اور دشمنیاں تازہ تھیں۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اس متعصّبانہ اور نفرتوں پر مبنی گروہوں کی نفسیات اور مزاج کو تبدیل کرنے کے لئے اہل مکہ کو ایک نئی فکر سے آگاہ کیا۔ وہ فکر یہ تھی کہ مختلف مذاہب اور قدیم روایات کے باوجود مل جل کر پرامن طریقہ سے رہنا ممکن ہے۔ اس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے اس خطہ کی از سر نو تنظیم فرمائی۔ یہ تنظیم سیاسی بھی تھی اور دفاعی بھی۔ اس تنظیم نو کے لئے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ اور اس کے گرد ونواح میں آباد قبائل کے ساتھ رابطے قائم کئے اور ایک باقاعدہ تحریری دستور تیار کیا جس میں تمام شریک قبائل اور گروہوں کے حقوق وفرائض کا تعین کیا گیا۔

مملکت اور معاشرہ کے دفاع کا طریق کار اور ذمہ داریوں کا تعین کیا گیا،

Marfat.com

یہاں اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ نے دستور میں شامل تمام قبائل کو مذاکرات کے ذریعہ آمادہ کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ امن و سلامتی کا پہلا راستہ مذاکرات ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اندرونی قبائل کو شریک دستور کر کے مدینہ منورہ سے باہر خصوصاً مکہ مکرمہ کی شاہراہ پر آباد قبائل کے ساتھ بھی مذاکرات کئے اور انہیں بھی اس دستور میں شریک ہونے پر راضی کیا۔

مختلف مذاہب، مختلف قبائل اور نسل کے لوگوں کو باہم مل کر ایک خطہ میں امن و سکون کے ساتھ رہنے اور ایک تحریری دستور کی بالادستی کو قبول کر کے ایک سیاسی نظم کے ساتھ اجتماعی نظم میں رہنے کا انوکھا تجربہ تھا، جس کا آغاز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اگر یثرب میں نفاق کا فتنہ سر نہ اٹھاتا، اور یہودی اس دستوری مملکت کے خلاف خفیہ سازشیں نہ کرتے تو آج مختلف نسل و مذاہب کے لوگوں کے مل جل کر رہنے کی تاریخ بالکل مختلف ہوتی، لیکن یہ دراصل انسانیت کی بدقسمتی تھی کہ اس اہم تجربہ کے خلاف سازشیں کی گئیں جس کے نتیجہ میں جنگوں کا آغاز ہوا۔

اس موقعہ پر آج کے حالات کی مناسبت سے اس بات کو ذکر کرنا چاہوں گا کہ دستور مدینہ میں مسلمانوں نے ایک امت کی حیثیت سے شرکت کی تھی۔ جبکہ یہودی جو دس قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے انہوں نے اپنی علیحدہ علیحدہ حیثیت میں شرکت کی۔ مسلمانوں کو ہمیشہ اپنی وحدت اور باہمی اتفاق کی وجہ سے کامیابی ہوئی جبکہ یہودیوں کو اپنے انتشار کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑا۔ آج امت مسلمہ کی وحدت پراگندہ ہے، اور یہودی ایک قوم کی حیثیت سے متحد ہیں۔ اس اتحاد کی وجہ سے آج یہودیوں کو غلبہ حاصل ہے۔ آج مصری، شامی، لبنانی، عراقی، سعودی مسلمان علیحدہ علیحدہ قومیتوں اور علاقائیتوں میں بٹے

Marfat.com

ہوئے ہیں۔ یہودی ان سے ان کی علیحدہ علیحدہ حیثیت میں مذاکرات کر رہے ہیں۔ وہ قوم جو متحد ہے وہ غالب بھی ہے فی الحال کامیاب بھی نظر آ رہی ہے لیکن مسلمان اپنی کثرت کے باوجود اپنے انتشار اور علاقائیتوں میں تقسیم ہونے کی وجہ سے نقصان اٹھا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں پھر سنبھلنے اور ایک امت کی حیثیت سے ابھرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مذاکرات و مصالحتی کوششوں کو جنگ وقتال پر ترجیح حاصل ہے:

ہم عہد رسالت کی ترجیحات پر گفتگو کر رہے ہیں۔ سیرت طیبہ کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک مذاکرات اور مصالحت کو ترجیح حاصل تھی، حلف الفضول سے لے کر صلح حدیبیہ تک آپ کو یہی اصول نظر آئے گا کہ معاملات کو مذاکرات کے ذریعہ حل کیا جائے اور جس حد تک ممکن ہو مصالحت کو ترجیح دی جائے۔ جنگ تو ایک آخری ہتھیار کے طور پر لڑی جاتی ہے۔

اصولِ تدریج:

اصولِ ترجیح پر گفتگو کے بعد میں سمجھتا ہوں اصولِ تدریج پر بھی آج کی مجلس میں گفتگو کر لی جائے۔ تدریج کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کام کو آہستہ آہستہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ اس اصول کا اصل مقصد یہ ہے کہ معاشرہ میں قانون سازی، یا نئے تصورات متعارف کرانے، یا نئے ادارہ قائم کرنے کے لئے تدریجی طریقہ کار اختیار کیا جائے اس لئے کہ یہ طریقہ زیادہ موثر اور کامیاب رہتا ہے۔ تدریج کی صورت میں پہلے لوگوں کو فکری طور پر تیار کیا جاتا ہے، پھر آغاز آسان طریقوں سے کیا جاتا ہے پھر بتدریج اسے کمال یا تکمیل تک پہنچایا جاتا ہے۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں یہ اصول خاص طور پر نمایاں نظر آتا ہے۔
مثلاً جاہلیت کی رسوم کو ختم کرنے کا اعلان رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر فرمایا۔
دعوت دین کے بارے میں بھی آپ ﷺ کا یہی اصول رہا ہے۔ امام مسلمؒ نے اپنی جامع میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت معاذؓ بن جبل کو رسول اللہ ﷺ نے یمن روانہ فرمایا تو انہیں حکم دیا کہ تمہارا رابطہ اہل کتاب سے ہوگا تو تم انہیں پہلے کلمہ شہادت کی دعوت دینا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور میری رسالت کو مان لیں تو پھر انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے دن رات میں پنج وقتہ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ اس میں بھی تمہاری بات مان لیں تو پھر انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ فرض کی ہے جو دولت مندوں سے لے کر غرباء میں تقسیم کی جاتی ہے، جب اس بات کو بھی مان لیں تو پھر تم احتیاط کرنا اور زکوٰۃ وغیرہ میں ان کا اچھا مال نہ لینا (بلکہ درمیانی مال وصول کرنا) اور مظلوم کی بددعا سے ہمیشہ بچنا، اس لئے کہ مظلوم کی دعا، اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب حائل نہیں ہوتا۔ (3)

قرآن حکیم بتدریج نازل ہوا:

تدریج کا اصول ہمیں قرآن حکیم میں بھی جا بجا نظر آتا ہے۔ خود قرآن حکیم کا نزول تدریج کی واضح مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو ۲۳ برس میں نازل فرمایا، اور اس کی حکمت کو بھی بیان کر دیا:

"وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا٥" (4)

"اور قرآن کریم کو ہم نے تھوڑا تھوڑا اتارا، تا کہ آپ ﷺ اسے

Marfat.com

لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سنائیں اور ہم نے اسے بتدریج نازل کیا ہے"۔

اور جب کفار مکہ نے یہ اعتراض اٹھایا کہ قرآن کریم پورا کا پورا ایک ہی مرتبہ کیوں نہ نازل ہو گیا تو اس کے جواب میں قرآن حکیم نے تدریج کی حکمت کو اس طرح بیان کیا:

"كَذٰلِكَ. لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا٥" (5)

"جی ہاں ہم نے اسی طرح تدریجاً نازل کیا تاکہ ہم آپ کے دل کو قوت عطا کریں، اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سنایا ہے"۔

قرآن حکیم نے اس حکمت کو بیان کر کے یہ بات واضح کر دی کہ جو کام تدریجاً کیا جاتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ دل و دماغ میں راسخ ہو جاتا ہے بلکہ اس کو عملی زندگی میں ڈھالنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ شراب کی حرمت بھی اس اصول کے مطابق بتدریج نازل ہوئی۔ پہلے اس کے نقصانات کو بتایا گیا۔ پھر نمازوں کے اوقات میں ممنوع قرار دی گئی اور آخر میں مکمّل طور پر حرام قرار دے دی گئی۔

تدریج حکمتِ دین کا اہم پہلو ہے:

تدریج حکمتِ دین کا ایک اہم پہلو ہے۔ قرآن حکیم کی بعض آیات میں بہت لطیف پیرایہ میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً سورۃ بقرہ کی اس آیت مبارکہ پر غور کیجئے:

"وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ" (6)

"اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا اور پھر اس پانی سے تمہارے لئے رزق پیدا کیا"۔

اسی طرح:

Marfat.com

''وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَابِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ'' (7)

''اور جو پانی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا پھر اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کیا، اور ہر قسم کے جانور زمین میں پھیلائے''۔

بارش کے لئے سمندروں سے اٹھنے والے آبی بخارات کا بادلوں کی شکل اختیار کرنا، پھر ہواؤں کے ذریعہ ان بادلوں کا مختلف علاقوں میں پھیلنا، پھر وہاں بارش کا ہونا، اور پھر مردہ زمین میں زندگی کی نئی روح بیدار ہونا پھر اس کے نتیجہ میں فصلوں، پھلوں اور کھیتوں کا لہلہانا اور انسان و جاندار کے لئے غذا کا مہیا ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تدریج میں ماحول اور معاشرہ دونوں کے لئے دیرپا منافع ہیں۔

امام بخاریؒ نے حضرت ابو موسیٰؓ کی ایک طویل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو علم و ہدایت دے کر بھیجا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے دھواں دار بارش، جب موسلا دھار بارش کسی زرخیز زمین پر ہوتی ہے تو وہ زمین پانی کو خوب اچھی طرح اپنے اندر جذب کر لیتی ہے، اور پھر خوب سرسبز و شاداب ہو کر لہلہانے لگی، یہی بارش جب پتھریلے علاقوں میں ہوتی ہے تو وہ سرزمین اس پانی کو روک لیتی ہے، پانی جمع ہو جاتا ہے تو لوگ اس پانی کو پینے، کھیتوں کو سیراب کرنے اور اپنے جانوروں کو پلانے کے لئے استعمال کرتے ہیں، کچھ ایسی زمینیں بھی ہوتی ہیں جو نہ زرخیز ہوتی ہیں، نہ ان میں پانی کو روکنے اور جمع کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ یہی اس فرد کی مثال ہے جس نے اپنے اندر دین کا فہم پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے جو علم و فضل عطا کیا ہے اس نے اس علم سے خوب فائدہ اٹھایا، دوسروں کو بھی علم و حکمت منتقل کیا، اور

Marfat.com

اس شخص کی مثال کہ جس نے اس علم وحکمت کی طرف توجہ ہی نہیں دی، نہ خود فائدہ اٹھایا نہ دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔ (8)

اس حدیث کو بیان کرنے کا مقصد اس لطیف اسلوب کی طرف متوجہ کرنا ہے جو اس حدیث کے متن میں نظر آ رہا ہے، اس میں بھی تدریج کی طرف اشارہ ہے۔ یہی اشارہ ہمیں ان آیات مبارکہ میں ملتا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے ارض وسماء کی تخلیق کو بیان کیا ہے۔

تدریج کی مثالیں ہمارے چاروں اطراف اس کائنات میں اس قدر پھیلی ہوئی ہیں، اور ہر وقت انسان کو غور وفکر کی دعوت دے رہی ہیں، تا کہ انسان سبق حاصل کرے اور اپنی زندگی میں دیرپا اور پائیدار فیصلے کرے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ ہر انسان وحیاً وعقلاً اس بات کا پابند ہے کہ وہ مثبت، تعمیری اور معروف امور کو اس طرح انجام دے کہ اس کے اثرات نہ اس کے اپنے معاشرہ میں دیرپا ثابت ہوں بلکہ آنے والی نسلیں بھی اس سے سبق حاصل کر کے اپنی زندگی کو بہتر بنا سکیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسوۂ حسنہ کے اس اصول کا ہمیں فہم بھی عطا فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔

Marfat.com

حوالہ جات

1۔ القرآن، آل عمران:110

2۔ القرآن، البقرہ:143

3۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، (ح:1496)؛قشیری، مسلم بن حجاج، الصحیح، (ح:19)

4۔ القرآن، الاسراء:106

5۔ القرآن، الفرقان:32

6۔ القرآن، البقرہ:22

7۔ القرآن، البقرہ:164

8۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، کتاب العلم، (ح:76)

Marfat.com

پانچواں خطبہ

اسوہ حسنہ اور اصول تیسیر

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدالمرسلین والعاقبۃ للمتقین.

میرے لئے بہت خوشی کا باعث ہے کہ میں آج آپ کے سامنے سیرت کے موضوع پر پانچواں خطبہ پیش کر رہا ہوں۔ سیرت کا موضوع ایک بحر بے کراں ہے۔ اس میں غور وفکر سے انسانیت کی رہنمائی کے نئے نئے پہلو سامنے آتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت اگرچہ ایک محدود علاقے، قوم اور زمانے میں ہوئی تھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت تمام قوموں کے لئے، دنیا کے تمام علاقوں کے لئے ہے اور تاقیامت خاتم النبیین کی حیثیت سے آپ ﷺ کی رسالت جاری رہے گی۔ تاقیامت رہنے کے لئے اس میں نئے نئے پہلو قیامت تک نظر آتے رہیں گے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (1)

"بے شک رسول اللہ ﷺ کی ذات میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے"۔

اس آیت میں بہت جامعیت اور ہمہ گیری ہے کہ اسوہ حسنہ کے بھی نئے پہلو تاقیامت نکلتے رہیں گے اور انسانیت کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔

آج کی مجلس میں ہم رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کی رہنمائی میں اصول تیسیر کا مطالعہ کریں گے اور دیکھیں گے کہ آپ ﷺ نے اس اصول کو کس طرح

Marfat.com

استعمال کیا اور لوگوں کو اس اصول کی کس طرح تعلیم دی۔ اصول تیسیر لوگوں کو ہر طرح کی مشکلات، پریشانیوں اور برائیوں سے نکالنے اور چھٹکارا دلانے والا اصول ہے۔ اصول تیسیر جہاں ایک طرف انسانوں کی مصلحتوں کا خیال کرتا ہے تو دوسری طرف انسانوں کو بہت سی آلودگیوں سے بھی بچاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے حوالے سے جو آیات تلاوت ہوئیں ان میں اتنی ہمہ گیری ہے کہ بحث و تحقیق کے نتیجہ میں بے شمار پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔

خلق عظیم، رحمۃ اللعالمین اور اصول تیسیر کا تعلق:

رسول اکرم ﷺ رحیم ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

"بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ" (2)

ان کی طبیعت میں جو مادہ رحم و کرم ہے اس سے دنیا لطف اندوز ہوتی رہی ہے۔ یہ لطف و کرم آپ ﷺ کی زندگی میں بھی لوگوں کو ملا اور بعد میں بھی دنیا اس سے لطف اندوز ہوتی رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک صفت یہ ہے کہ آپ ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں۔ (3) جو ہستی رحمۃ اللعالمین ہو گی اس کی ذات سے لطف و رحمت مسلسل عوام الناس تک پہنچتا رہے گا۔

اس صفت کا ذکر اس آیت میں بھی ہے کہ آپ لوگوں کو ظلمتوں سے روشنیوں کی طرف لاتے ہیں۔ (4) یہ تاریکی، جہالت، بدکرداری، بداخلاقی اور بداعتقادی کی ہوتی ہے۔ رسول علیہ السّلام ان سب سے نکال کر علم، ایمان اور عمل صالح کی روشنی کی طرف لاتے ہیں۔ رحمت کے اس پہلو کو آپ ﷺ کے دعوت و اصلاح کے دیگر پہلوؤں کے ساتھ ملا کر دیکھئے، آپ کو رسول اللہ ﷺ کی عظمت و شان کا احساس ہو سکے گا۔

Marfat.com

رحمۃ اللعالمین کے تصور کا ایک اور پہلو سے بھی مطالعہ کیا جا سکتا ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیمٍ ''محمد آپ ﷺ تو خلق عظیم پر فائز ہیں''۔(5) کوئی انسان کبھی بھی رحمۃ اللعالمین نہیں ہوسکتا جب تک وہ خلق عظیم پر فائز نہ ہو۔ خلق عظیم پر ہونا، اور کسی حالت میں بھی اس معیار سے نیچے نہ آنا ہی رسول اللہ ﷺ کے رحمۃ اللعالمین ہونے کی دلیل ہے۔ اخلاقیات کا نظام اس قدر وسیع وعریض ہے کہ دنیا کے تمام معاملات اس کے تحت آتے ہیں۔ اگر انسان کے اخلاقی معیار میں کہیں بھی کمزوری پیدا ہوگی تو اس کے برے اثرات اس کے رویہ اور معاملات میں نمایاں ہوں گے۔ انسانیت کی فلاح کے جتنے بھی علوم ہیں وہ سب علم الاخلاق کے دائرے میں آتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد میں لوگوں نے ان کو اخلاقیات سے الگ کر دیا، مثلاً سیاسیات علم الاخلاق کا ایک شعبہ ہے۔ اگر اس کو اخلاق سے الگ کریں تو وہ بے رحم سیاست ہو جاتی ہے جو آج دنیا میں رائج ہے یعنی انتہائی بدعہدی، جھوٹ، الزامات اور دھوکہ دہی سب سیاست کا حصہ بن جاتے ہیں۔ جبکہ اسلام جس سیاست کی تعلیم دیتا ہے وہ علم الاخلاق کا ایک شعبہ ہے۔ یہ اخلاقی دائرہ کے اندر رہتے ہوئے لوگوں کے مسائل اور معاملات کو حل کرنا ہے۔ انبیاء کی اصل سیاست یہی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ:

''کانت بنو اسرائیل تسوسھم الأنبیاء'' (6)

''بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کیا کرتے تھے''۔

انبیاء کی سیاست کا آغاز انسان کی تعلیم و تربیت، تہذیب نفس، ایمان کی دعوت، اصلاح رویہ اور اصلاح ماحول سے ہوتا ہے۔ اسی لئے آپ غور فرمائیے کہ اسلامی

Marfat.com

ادب میں اخلاق کا ایمان کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اگر اخلاق کو ایمان سے الگ کر دیں تو نہ ایمان رہے گا نہ اخلاق۔ ایمان نام ہے تصدیق قلبی کا اگر تصدیق قلبی ہو تو ایمان باقی رہتا ہے۔ تصدیق کا ایک عملی اظہار ہوتا ہے اور وہ عملی اظہار اخلاق کی شکل میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ''اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' ۔(7) کا اعلان فرما کر رسول علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ایمان کی عظمت و کمال کا اظہار بھی فرمایا اور یہ بھی واضح کر دیا کہ خلق عظیم پر فائز ہونے والا رسول رحمۃ اللعالمین ہے۔

رحمۃ اللعالمین اور خلق عظیم کا تصور ذہن میں رکھئے اور پھر اصول تیسیر کا مطالعہ کیجئے تو یہاں بھی رحمت و خلق عظیم کی جھلک نظر آئے گی۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ.'' (8) رسول رحمت کی نرم مزاجی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا ہے۔ اس نرم مزاجی کے اثرات نے صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ کا گرویدہ بنا دیا، ان کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی محبّت اور عظمت اخلاص پر مبنی تھی، آپ ﷺ کی رحم دلی اور نرم مزاجی نے لوگوں کے دل جیت لئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو خلق عظیم پر فائز کیا۔ رحمت اور خلق عظیم کا یُسر کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

اخلاقیات اور اصولِ تیسیر کے مابین جو لطیف امتزاج پایا جاتا ہے اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

بدترین دشمنوں کے ساتھ سہولت کا معاملہ:

رسول اکرم ﷺ کو جن لوگوں نے سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچائیں ان میں ایک ابوجہل بھی تھا جس نے نہ صرف جسمانی تکلیف پہنچائی بلکہ فکری اور ذہنی تکالیف بھی

Marfat.com

پہنچائیں۔ مشہور واقعہ کہ رسول اللہ ﷺ حرم میں بیت اللہ کے قریب نماز ادا کر رہے تھے تو ابو جہل نے چند اوباش لڑکوں کو اکٹھا کیا ان سے کہا کہ حضور اکرم ﷺ پر ہنسی ٹھٹھہ کریں اور پھر انہیں مردہ جانور کی اوجھڑی آپ ﷺ کے سر اور پیٹھ پر ڈالنے کا حکم دیا۔ (9) آپ ﷺ کے ساتھ ابو جہل اور اس کے خاندان کی طرف سے ایسا سلوک کیا گیا جس کے باعث اس کی اور اس کی بیوی اور بچوں کی دشمنی رسول کریم ﷺ کے ساتھ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ ابو جہل تو حالت کفر میں مارا گیا، ان کے بیٹے عکرمہ فتح مکہ تک رسول کریم ﷺ اور مسلمانوں کے بڑے مخالف رہے، مقابلہ کرتے رہے اور رسول اللہ ﷺ جب مکہ مکرمہ بحیثیت فاتح داخل ہو رہے تھے اس وقت بھی عکرمہ اور ان کے گروہ نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف مسلح مقابلہ کرتے رہے اور اس وقت بھی کچھ مسلمانوں کو شہید کر کے فرار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے بعض بدترین دشمنوں کے قتل کا حکم دے دیا تھا، جن دشمنوں کے قتل کا حکم دیا گیا تھا ان میں عکرمہ بھی شامل تھے۔ عکرمہ فرار ہو کر یمن چلے گئے۔ فتح مکہ کے بعد ان کی بیوی ام حکیم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئیں اور آپ ﷺ سے اپنے شوہر عکرمہ کے لئے امن کی درخواست کی۔ اب غور فرمائیے کہ اس صورتحال میں جب رسول اللہ ﷺ کے پاس بدلہ لینے یا سزا دینے کا مکمّل اختیار تھا ایک بدترین دشمن کی بیوی کی جانب سے رحمۃ اللعالمین کی خدمت میں امن کی درخواست پیش کر دی گئی۔ انبیاء علیہم السّلام کے پیش نظر انتقام لینا نہیں ہوتا بلکہ انسانوں کی اصلاح اور ان کی ہدایت و رہنمائی مقصود ہوتی ہے، لہٰذا رحمۃ اللعالمین نے بیوی کی جانب سے پیش کردہ درخواست کو قبول فرما لیا، اور عکرمہ کو امن دے دیا۔

عکرمہ کی زوجہ پروانۂ امن لے کر عکرمہ کو رسول ﷺ کے پاس لانے کے لئے یمن روانہ ہو گئیں۔ دوسری طرف عکرمہ کے ساتھ بھی ایک واقعہ پیش آیا۔ یمن

Marfat.com

جاتے ہوئے عکرمہ کی کشتی بھنور میں پھنس گئی تو عکرمہ نے لات، منات وعزیٰ کو مدد کے لئے پکارا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا، کشتی والے نے عکرمہ سے کہا کہ ایسی حالت میں لات، منات وعزی میں سے کوئی نہیں بچاتا، صرف ایک ہی ہستی بچانے والی ہے۔ ایسے طوفان میں ہم تو اللہ ہی کو پکارتے ہیں تم بھی اسی کو پکارو تو عکرمہ نے سوچا کہ اگر اسی (اللہ) کو ہی پکارنا تھا پھر تو محمد ﷺ کے پاس ہی چلے جانا چاہئے تھا۔ خیر اس بھنور سے وہ بچ گئے ادھر ام حکیم امن کا پروانہ لے کر ان کے پاس آ گئیں۔ عکرمہ کو توقع بھی نہیں تھی کہ انہیں بھی امن مل سکتا ہے۔ مگر ام حکیم نے کہا کہ میں تو آپ کے لئے رحمۃ اللعالمین اور صاحب خلق عظیم سے امن لائی ہوں۔ عکرمہ پر بھی رسول اللہ ﷺ کے خلق عظیم اور احسان کا اثر ہوا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا ارادہ کر لیا۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کو بھی اطلاع ہوگئی کہ عکرمہ قبول ایمان کے ارادے سے آ رہے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو مسجد نبوی میں جمع کر کے فرمایا کہ دیکھو آج کے بعد ابوجہل کو کوئی برا نہ کہے، ایسا نہ ہو کہ کسی مردہ آدمی کو برا بھلا کہہ کر کسی زندہ کو تکلیف پہنچائی جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے عکرمہ کے لئے مدینہ منورہ میں خوشگوار ماحول فراہم کر دیا، رسول اللہ ﷺ کی نصیحت کے بعد کسی کے لئے یہ گنجائش نہیں رہی کہ وہ عکرمہ کو ان کے ماضی یا والدین کی اسلام دشمنی کی وجہ سے طعنہ دے۔ اچھا ماحول فراہم کرنا بھی اصول تیسیر کا ایک پہلو ہے۔ عکرمہ کے بارے میں آپ ﷺ کو اندیشہ تھا کہ لوگ انہیں اور اس کے باپ کو برا کہیں گے تو یہ بات عکرمہ کو ناگوار گزرے گی لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اچھا برادرانہ، خوشگوار ماحول فراہم کیا کہ اب اسلام کے بعد تو انہوں نے نئی زندگی شروع کرنا ہے، لہٰذا ان کا سابقہ رویہ اور قبول اسلام سے پہلے کی دشمنی کو بھلا دو۔

Marfat.com

عبداللہ بن ابی کو سب جانتے ہیں کہ اس نے تمام زندگی رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں۔ اسلام کے دعوے کے باوجود ہر سازش میں وہ نمایاں رہا۔ کفار مکہ اور مسلمانوں کے دیگر دشمنوں کے ساتھ معاہدے کرتا اور خفیہ طور پر معلومات فراہم کرتا۔ اس کی خباثت اس سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم نے بھی اس کے نفاق کو خوب ظاہر کر دیا تھا۔ اس نے بھرپور کوشش کی کہ انصار و مہاجرین میں اس قدر تعصّب پیدا کر دے کہ انصار اس کے ساتھ مل کر مہاجرین کو مدینہ سے نکال باہر کریں۔ اس طرح اسے اہل مدینہ پر اپنی سرداری قائم کرنے کا موقع مل جائے۔

غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر اس نے قومیت پرستی کو ابھارا۔ اس نے لوگوں سے برملا کہا "لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ" (10) "یقیناً عزت والے لوگ نچلے لوگوں کو یہاں سے نکال دیں گے"۔ معاذ اللہ رسول اللہ اور صحابہ کو اذل کہہ رہا ہے۔ (11)

مبالغہ کا صیغہ استعمال کر رہا ہے اتنا گھٹیا لفظ تو عام لوگ بھی استعمال نہیں کرتے۔ اذل اسم تفضیل کا صیغہ اس نے العیاذ باللہ رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے استعمال کیا۔ اس وقت ان کے بیٹے عبداللہ جو مسلمان تھے انہوں نے اپنے باپ کا راستہ روک دیا اور کہا کہ جب تک رسول اللہ ﷺ آپ کو مدینہ میں داخلے کی اجازت نہ دیں گے میں بھی نہ آنے دوں گا۔

باپ توہین رسالت کا مرتکب تھا اور بیٹا مسلمان تھا۔ بیٹا رسول اللہ ﷺ سے اس جرم کی بنا پر اپنے باپ کے قتل کی اجازت مانگتا ہے مگر رسول اللہ ﷺ ان کو اجازت نہیں دیتے بلکہ صاحب خلق عظیم ان کو کہتے ہیں: "احسن صحبتک"، یعنی کہ اپنے باپ سے اچھا سلوک رکھو۔

Marfat.com

اب جب اس کی وفات کا وقت آتا ہے تو اس کا مسلمان بیٹا آپ ﷺ کا لباس اس کی تکفین کے لئے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ اسے اپنا قمیص مبارک عطا فرما دیتے ہیں اور اسی مبارک لباس میں وہ دفن کیا جاتا ہے۔ پھر حضرت عبداللہ آپ ﷺ سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست بھی کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ یہ درخواست بھی مان لیتے ہیں، مگر حضرت عمرؓ راستے میں آجاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ جس کا نفاق قرآن نے ظاہر کیا آپ اس کی نماز جنازہ کیسے پڑھا سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ ''اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ.'' (12) حضرت عمرؓ کی مخالفت کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی۔ (13)

اگرچہ حضرت عمرؓ کی بات کی تائید بعد میں قرآن حکیم سے بھی ہوگئی کہ وحی کے ذریعہ ایسے منافق کی نماز جنازہ پڑھانے سے منع کر دیا گیا۔ ''وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ''. (14) اس واقعہ کا غور سے مطالعہ کیجئے تو یہاں خلق عظیم اور اصول تیسیر کا لطیف امتزاج نظر آئے گا، کہ اگرچہ اس منافق کو اللہ تعالیٰ نے نہیں بخشا، ستر بار بھی اس کے لئے استغفار کیا جائے تو معاف نہیں کیا جائے گا مگر آپ ﷺ نے پھر بھی اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس واقعہ میں حکمت یہ نظر آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کے انتقال کے بعد کوئی شخص اس کے مسلمان صاحبزادے پر طعنہ زنی نہ کرے کہ تیرا باپ دشمن رسول تھا یا رئیس المنافقین تھا۔ یہ صاحب خلق عظیم کا اصول تیسیر ہے کہ لوگوں کے لئے سہولت اور آسانی اور خوشگوار ماحول پیدا کیا جائے۔

Marfat.com

اس اصول کو ایک دوسرے زاویہ سے بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ قرآن نے انسان کے بارے میں کہا ہے کہ ''خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيفًاo'' (15) یعنی انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو خالق کائنات بھی ہے اور خالق بشر بھی ہے وہ بشر کی جسمانی، فکری اور ذہنی کمزوریوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بہتر انسانی کمزوریوں کو کوئی نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان مشقّت میں نہ پڑے، دشواریوں اور مشقّتوں کو انسان کی زندگی سے دور کیا جائے۔ شرعاً مشکلات کو دور کرنا لازم ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ ایسے فیصلے کریں جس سے لوگوں کے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ تو عبادات میں بھی اپنے بندوں کے لئے مشقّت کو پسند نہیں کرتا۔ عبادت میں بھی جب کبھی کسی کے لئے مشقّت پیدا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ عبادات میں بھی تخفیف فرما دیتے ہیں جس کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔

اصول تیسیر کے دو پہلو:

تیسیر کے دو پہلو ہیں، ایک دفع الضرر یعنی ضرر، مشکلات اور دشواریوں کو دور کرنا، اور دوسرا پہلو ہے جلب المصلحة یعنی انسانی مصلحتوں اور سہولتوں کو فراہم کرنا۔ دفع الضرر مقدم ہے۔ پہلے مشقّتوں اور دشواریوں کو دور کیا جائے گا اور پھر مصلحتوں اور سہولتوں کو میسر کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ میں دونوں پہلوؤں پر عمل کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ حالت سفر میں ہیں ایک جگہ رات کو پڑاؤ ڈالا، رات ٹھنڈی تھی بارش بھی ہوگئی، اذان ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ نماز اپنے خیموں میں پڑھیں۔ (16) اللہ تعالیٰ نے سفر میں روزہ نہ رکھنے کی سہولت دے دی ہے۔ رکھے ہوئے روزے کو حالت سفر میں کھولنے

Marfat.com

کی بھی اجازت ہے، اور روزہ کھولنے پر کسی کو حق نہیں ہے کہ کوئی آپ پر اعتراض کرے۔ رسول اللہ ﷺ عام الفتح میں مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے صحابہ کرام بھی ساتھ تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا، اس ماہ میں روزے رکھنا فرض ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی جانب سے سہولت ہے کہ اگر سفر میں دشواری ہو تو روزہ کھول دیا جائے اور بعد میں اس کی قضا کر لی جائے۔ اس سفر میں رسول اللہ ﷺ نے روزہ رکھا آپ کے ساتھ صحابہ کرام نے بھی روزہ رکھ لیا، لیکن بعض صحابہ روزہ کی وجہ سے نڈھال ہو گئے، رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے نماز عصر کے بعد پانی منگوایا اور روزہ کھول دیا۔ آپ ﷺ کے عمل کو دیکھ کر صحابہ کرام نے بھی روزہ کھول دیا حالانکہ وقت افطار قریب تھا، آپ ﷺ اپنا روزہ پورا فرما سکتے تھے۔ مگر آپ ﷺ نے لوگوں کی سہولت کی خاطر افطار کر لیا۔ جب آپ ﷺ نے کھولا تو باقی لوگوں نے بھی کھول دیا۔ (17)

فقہ میں ''دفع الضرر یا دفع المشقة'' کا ایک اہم قاعدہ ہے یعنی لوگوں کے لئے مشکلات پیدا نہیں کر سکتے ایسے قوانین نافذ نہیں کئے جا سکتے جن کی وجہ سے لوگوں کے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں مثلاً ہمارے ملک میں انکم ٹیکس کے فارم ریٹرن جمع کرانا ایک بہت دشوار کام ہے۔ کمپیوٹر پر ریٹرن فارم کی تکمیل انتہائی مشکل ہے۔ ہر ٹیکس ادا کرنے والا آسانی اس فارم کو مکمّل نہیں کر سکتا، پھر یہ فارم یہاں کے لوگوں کی زبان میں بھی نہیں بلکہ قدیم آقاؤں کی زبان میں، ٹیکس جمع کرانے والوں کی اچھی خاصی تعداد اس زبان سے واقف نہیں، انہیں اپنے فارم مکمّل کرنے کے لئے پہلے کسی وکیل کی خدمات حاصل کرنا پڑتی ہیں۔ ٹیکس ادا کرنے کے ساتھ وہ وکیل کی فیس بھی ادا کرتے ہیں پھر یہ فارم جمع کرایا جاتا ہے۔ ارباب اختیار نے عوام کے لئے مشقّت پیدا کر دی۔ اگر حضرت عمرؓ ہوتے تو ان سب کو درے لگا رہے ہوتے۔

Marfat.com

امام بخاریؒ نے کتاب الایمان میں ایک باب قائم کیا کہ ''الدین یسر ''(18) اس باب کو کتاب الایمان میں ذکر کرنے سے اس کی اہمیت ظاہر ہورہی ہے۔ ہم مشقتیں پیدا کرتے ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں تو آسانیاں پیدا کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں ''الدین السمحۃ'' دین آسان ہے۔

اصول تیسیر کا دوسرا پہلو ''جلب المصلحۃ'' ہے۔ انسانی مصلحت کو حاصل کرنا اس کا دوسرا مقصد ہے۔ انسانی مفاد سے مراد نفسانی خواہشات نہیں بلکہ وہ مصلحت ہے جس کو عقل سلیم تسلیم کرے اس کو شریعت بھی تسلیم کرتی ہے۔ یہی مفاد عامہ کہلاتا ہے اور اس کا تحفّظ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ و تابعین کے دور میں نظر آتا ہے۔

حضرت عمرؓ ایک بار مدینہ منورہ سے باہر کسی دوسرے علاقہ میں ٹیکس کی وصولی کے نظام کے معائنہ کرنے گئے اور دیکھا کہ ٹیکس لینے والے سائے میں تخت پر بیٹھے ہیں اور ان کے گرد لوگ جمع ہیں، ان میں کچھ لوگ دھوپ میں بھی کھڑے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس صورت حال کا سخت نوٹس لیا۔ عاملوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم تو لینے والے ہو اور وہ دینے والے ہیں۔ ''الید العلیا خیر من الید السفلی ''(19) جب سب لوگوں کے لئے سایہ مہیا نہیں کیا جا سکتا تو تم کیوں سائے میں بیٹھے ہو؟ تم نے لوگوں کے لئے مشقّت کیوں پیدا کی؟ اب بہتر یہ ہے کہ تم لوگوں کے گھروں پر جا کر وصول کیا کرو۔ گویا قاعدہ بن گیا کہ جہاں بھی مشقّت پیدا ہو تو اس کو دور کیا جائے اور جس قدر ممکن ہو مشقّت کی جگہ سہولت پیدا کی جائے۔

فقہ کے طلباء بخوبی جانتے ہیں کہ احناف کے نزدیک استحسان کا اصول بہت اہم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر قیاس سے راستہ نہیں ملتا تو استحسان کے ذریعہ

Marfat.com

مصلحت کا راستہ اختیار کرلیں ،لوگوں سے مشقّت کو دور کریں۔ امام مالکؒ کے مذہب میں مصالح مرسلہ بھی یہی کردار ادا کرتا ہے کہ ہر ضرر و مشقّت اور پریشانی کو دور کیا جائے اور مصلحت عامہ کا خیال رکھا جائے یعنی عوام کی سہولت اور آسانی کا خیال رکھا جائے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے معاشرہ میں ساری سہولتیں صرف برسراقتدار اشرافیہ کے لئے ہیں، اور عوام بے چارے محروم ہیں۔

سیرت میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں کہ جہاں کہیں مشقّت یا تکلیف پیدا ہو رہی ہو اس کو رسول اللہ ﷺ نے دور فرمایا۔ قرآن حکیم کی آیت ''وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِىْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ'' (20) ''پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں، خبائث کو حرام قرار دیتے ہیں، گردنوں میں پڑے ہوئے طوق دور کرتے ہیں''۔ طیبات کو حلال کرنے کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ تمام مفید چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں، وہ لوگوں کو آسانی سے ملتی رہنی چاہئیں، لوگوں تک رسائی میں مشکل نہ ہو۔ یہ کام رسول کرتے ہیں کہ تمام طیبات حلال کر دیتے ہیں۔ اور خبائث کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے۔ تمام نقصان دہ، مضر اشیاء اور آلودگیاں جو فکر، عمل، جسم اور روح ہر چیز کو آلودہ کر دیں رسول ان کو دور کرنے کا کام کرتے ہیں یعنی انسانوں کے لئے ماحول کو پاکیزہ کرتے ہیں۔ جہاں خبائث پیدا ہونے لگیں، انہیں روکنے کے لئے دفع الضرر کا قانون حرکت میں آجاتا ہے۔ جو حرمتیں اللہ نے قائم کی اگر ان کو توڑا جائے تو وہ بھی خبائث کے دائرہ میں آتی ہیں۔ اسی طرح صاف اور صحت بخش چیزوں کو آلودہ کر کے مضر بنانا بھی جائز نہیں۔ ہمارے ہاں پانی کو بہتر صاف رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی، بلکہ ہم نے اس پانی کو جس پر ہماری زندگی کا دارومدار ہے کو آلودہ کر دیا کیونکہ ہم نے شریعت کے اصول کو یا تو سمجھا نہیں یا غلط سمجھا مثلاً شریعت نے ہمیں یہ سہولت عطا کی

Marfat.com

ہے کہ پانی اگر بہتا ہوا ہو تو اس کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ وہ پانی طہارت یا وضو کے لئے پاک ہے۔ شریعت نے یہ نہیں کہا کہ بہتا ہوا پانی آلودہ نہیں ہوتا۔ ناپاک ہونا الگ چیز ہے اور آلودہ ہونا الگ۔

برصغیر پاک و ہند میں بہت سے لوگ پانی کے منبع کے قریب بیٹھ کر بول و براز کرتے ہیں، آلودہ اور گندی چیزیں پانی میں گرا دیتے ہیں۔ یہ سوچے بغیر کہ آلودہ پانی صحت کے لئے مضر ہوتا ہے۔ دریاؤں، نہروں کے پانی کو آلودگی سے بچانے اور انہیں پاک و صاف اور مفید صحت رکھنے کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہیں۔ رسول اللہ ﷺ آلودگی دور کرنے آئے تھے۔ رسول ﷺ اصر اور اغلال کو بھی اتارتے ہیں یعنی جو بیڑیاں اور طوق انسانوں کے گلے میں ہیں رسول ﷺ ان سے بھی آزاد کراتے ہیں۔ انسانوں کی نظر جب اللہ کی ذات سے ہٹتی ہے تو نہ معلوم کن کن توہمات میں جکڑ جاتی ہے۔ خالق و مخلوق کا تعلّق باقی سارے توہمات ختم کرتا ہے۔ خوف خدا نہ ہو تو بے شمار خوف انسان کا گھیراؤ کر لیتے ہیں لیکن اپنے خالق کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو پھر کوئی خوف باقی نہیں رہتا۔ ان سب طوقوں اور توہمات سے رسول نجات دلاتے ہیں۔ یہی اصول تیسیر کی حقیقت ہے۔

فتح مکہ کے موقعہ پر عفو عام:

اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسول کی زندگی میں دکھا دیا کہ یُسر اور تیسیر کس طریقے پر قابل عمل ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول ﷺ کا ابوسفیان کے ساتھ سلوک بھی تیسیر کی عمدہ مثال ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کس طرح عام معافی کا اعلان فرمایا۔ یہ عام معافی کا اعلان ان لوگوں کے لئے تھا جنہوں نے

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کو تیرہ برس مسلسل جسمانی اور ذہنی تکالیف پہنچائیں۔ انہی لوگوں نے آپ ﷺ اور آپ کے خاندان کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا تھا، اور پھر سرزمین مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا۔ رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے پہلا کیمپ شعب ابی طالب میں لگایا۔ یہ اہم بات تھی کہ اب آپ شعب ابی طالب میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے مگر کس قدر عاجزی و انکساری ہے۔ دنیا کا کوئی فاتح کبھی اس طرح اپنے مفتوحہ علاقے میں داخل نہیں ہوا۔ جس طرح اللہ کے رسول ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ کی حالت یہ تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے احساس شکرگزاری کے ساتھ پوری عاجزی وانکساری کے ساتھ مکہ مکرمہ میں تشریف لائے اور اس فتح کی نسبت ایک بار بھی اپنی طرف نہ کی، بلکہ اللہ کی طرف کی کہ اے اللہ تو نے ہمیں فتح مبین عطا فرمائی۔ ایک انصاری صحابی نے ابوسفیان کو دیکھ کر کہا ''الیوم یوم الملحمة'' ''یعنی آج انتقام کا دن ہے''۔ یہ اطلاع آپ ﷺ تک پہنچی آپ نے فوراً فرمایا کہ ''الیوم یوم المرحمة'' (21) ''نہیں آج رحمت کا دن ہے''۔ آپ ﷺ نے اعلان کر دیا کہ ''لا تثریب علیکم الیوم''۔

رسول اللہ ﷺ نے عفو عام کا اعلان اس طرح فرمایا کہ جو بیت اللہ میں چلا جائے یا جو ہتھیار رکھ دے یا جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر دے یا جو ابوسفیان کے گھر چلا جائے اس کے لئے امن ہے۔ یہ اعلان کر کے آپ ﷺ نے ابوسفیان کے لئے ایک خوشگوار ماحول پیدا کر دیا۔ مسلمانوں کی کامیابی اور فتح کی وجہ سے جو ایک مشکل صورت ابوسفیان کے لئے پیدا ہوگئی تھی آپ ﷺ نے اس کو یُسر سے بدل دیا کہ نہیں یہ وقت انتقام کا نہیں یہ تو امن کا وقت ہے سلامتی کا وقت ہے۔

Marfat.com

عبادات میں تیسیر:

نمازوں کے حوالے سے آپ ﷺ کا واضح فرمان ہے کہ

"إذا أم أحدكم للناس فليخفف فان فيهم الضعيف والسقيم والكبير واذا صلیٰ وحده فليصل كيف يشاء" (22)

"جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کی امامت کرائے تو وہ تخفیف اختیار کرے کیونکہ ان میں چھوٹے بڑے کمزور اور مریض بھی ہوں گے۔ مگر جب کہ تم میں سے کوئی خود نماز ادا کرے تو بے شک جتنی طویل تلاوت چاہے کرے"۔

اصول تیسیر کا تقاضا یہ ہے کہ عام لوگوں کے لئے مشقّت اور دشواری پیدا نہ کی جائے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کا مقام ہر شخص جانتا ہے۔ بڑے عظیم فقیہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے براہ راست شاگرد تھے۔ انہوں نے ایک بار نماز پڑھائی اور بڑی طویل قرأت کردی۔ معاذ بن جبلؓ کا اپنا ذوق تھا۔ اللہ سے ہمکلامی کے جذبے میں رکعت طویل کر دی۔ مگر ان کے نماز ختم کرتے ہی رسول کریم ﷺ نے فرمایا "يا معاذ أفتان انت" (23) "اے معاذ کیا تم لوگوں کو فتنے میں ڈال دو گے"؟ آپ ﷺ نے یہ الفاظ تین بار فرمائے۔

شریعت میں رخصتوں کا ذکر بہت آتا ہے۔ کتاب اللہ، کتب احادیث اور کتب فقہ میں کتاب الرخص اور الدین یسر کا باب بھی موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب صحابہ کو عامل بنا کر بھیجتے تو واضح ہدایت فرماتے "يسرا ولا تعسرا بشرا ولا تنفرا" (24) "لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنا مشکل پیدا نہ کرنا ان کو خوش خبری سنانا، متنفّر نہ کرنا"۔ نمازوں کے بارے میں کہیں قصر کی سہولت دے دی جاتی ہے کہیں اشاروں سے پڑھنے

Marfat.com

کی، کہیں تیمّم کی۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں درج بالا حدیث جمع کے صیغہ کے ساتھ بھی روایت ہوئی ہے۔ ''یسروا ولا تعسروا واسکنوا ولا تنفروا''۔ (25) ایک حدیث ہے ''إن الدین یسر ومن یشاد الدین إلا غلبه'' (26) ''دین آسان ہے جو دین میں شدت اختیار کرے گا دین اس پر غالب آ جائے گا''۔ بعض صحابہ کرامؓ نے تمام عمر روزے رکھنے کا عہد کیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس سے منع فرمایا۔ دین میں شدت اختیار کرنے اور غلو کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا۔

حلال طریقے پر حصول معیشت بھی عبادت ہے۔ اگر ہر شخص سارا وقت عبادت میں گزارے گا تو حصول معاش کا کام کون کرے گا۔ دین میں معاش کے حصول کے لئے جدوجہد بھی عبادت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ صادق و امین تاجر قیامت کے روز میرے ساتھ جنت میں اس طرح ہوگا جس طرح یہ دو انگلیاں۔ آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر اشارہ کر کے بتایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''احب الدین الی اللہ الحنفیة السمحة'' (27) ''اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین آسان اور سہولت والا ہے''۔ ایک اور جگہ فرمایا ''ولکنی بعثت بالحنیفیة السمحة'' (28) ''اور اللہ نے مجھے بھی دین آسان دے کر بھیجا ہے''۔

امام مسلمؒ کی روایت میں ہے ''ھلک المتنطعون'' (29) ''دین میں غلو کرنے والے اور موشگافیاں کرنے والے ہلاک ہوئے''۔ جو چیز دین میں نفل قرار دی گئی ہے وہ فرض نہیں بن سکتی۔ رسول اللہ ﷺ کے ہی الفاظ ہیں ''لا تشدوا علی انفسکم'' بعض راوایات کے الفاظ اس طرح ہیں:

Marfat.com

”لا تشددوا، فليشدد عليكم فان قوما شددوا على أنفسهم فشدد الله عليهم فتلک بقایا هم فی الصوامع والديار و رهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم“ (30)

”تم اپنی جانوں پر سختی نہ کرو ورنہ مشقت میں ڈال دیئے جاؤ گے، اس لئے کہ جو قوم اپنے لئے شدت کا راستہ اختیار کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر سختی مسلّط فرما دیتے ہیں۔ آج اس طرح شدت اور غلو کرنے والے عبادت گاہوں اور بستیوں میں پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے رہبانیت کا وہ راستہ اختیار کرلیا ہے جو ہم نے ان کے لئے مقرر نہیں کیا“۔

رسول اللہ ﷺ کی تمام زندگی اعلیٰ اخلاق کا نمونہ تھی۔ حضرت عائشہؓ کا فرمان ہے ”کان خلقه القرآن“۔ آپ ﷺ کی حیات میں قرآن کا پرتو نظر آتا ہے۔ قرآن حکیم میں آپ ﷺ کی امت کو امت وسط کہا گیا ہے۔ ”وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا.“ (31) وسط میں بھی سہولت اور یسر کا مظہر پایا جاتا ہے کہ اللہ نے پیچیدہ اور مشکلات کے راستہ سے ہٹا کر اعتدال کا راستہ ہمارے لئے طے کر دیا ہے۔

غلو سے اجتناب کا حکم بھی قرآن میں ہے: ”لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ“ (32) ”اپنے دین میں غلو نہ کرو“۔ مگر ہم پھر بھی غلو کرتے ہیں اور غلو کر کے کبھی عام انسان کو یا اللہ تعالیٰ کی دیگر مخلوقات کو نبوت اور الوھیت کے درجے تک پہنچا دیتے ہیں، کبھی غیر رسول کو مقام رسالت کا حامل بنا دیتے ہیں، اور کبھی کسی مخلوق کو الٰہی صفات کا حامل بنا دیتے ہیں۔ اللہ کے بجائے کبھی کسی انسان کو خالق و رزاق سمجھ لیتے ہیں۔ کبھی مظاہر

Marfat.com

فطرت کو ان صفات کا حامل سمجھ لیتے ہیں اور ان کی پرستش شروع کر دیتے ہیں۔ جب انسان غلو کی وجہ سے غلطی کرے تو اللہ بھی اس کو غلو میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں لیکن توبہ کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے بڑا احسان ہے کہ شرک جیسے بڑے گناہ کے ارتکاب کے بعد بھی توبہ کا در کھلا رہتا ہے۔ جب بندہ بارگاہ الٰہ میں احساس ندامت کے ساتھ توبہ کرتا ہے تو اس کے گناہوں کے سارے داغ دھل جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بہت بڑی سہولت ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

"یُرِیْدُاللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ" (33)

''اللہ تمہارے لئے سہولت چاہتا ہے، تمہیں مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا''۔

"مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ" (34)

''تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی نہیں''۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے:

"لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا" (35)

''اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا''۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا" (36)

''انسان کمزور پیدا کیا گیا''۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ تو اس ساری کائنات کا خالق و مالک ہے، وہ نہ صرف کائنات بلکہ انسان کی فطرت اور اس کے مزاج سے خوب واقف ہے، اس کی کمزوریوں کو بھی خوب سمجھتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے احکام میں سہولت اور آسانی کے پہلو کو مدنظر رکھا ہے۔ رسول ﷺ نے اس کو "بعثت بالحنيفية السمحة" فرما کر وضاحت فرما دی۔ کہ میں انسانوں کے لئے معتدل اور آسان دین لے کر آیا ہوں۔ یہ دین حنیف اور دین آسان قیامت تک کے لوگوں کے لئے ہے۔ اس میں نہ غلو کیا جا سکتا ہے نہ ہی شدت پیدا کی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

سوال: یہود کو رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ کی خلاف ورزی پر مدینہ سے نکالا منافقین کو کیوں نہ نکالا؟

جواب: منافق مسلمان کی طرح رہتے تھے ان سے کوئی معاہدہ نہ تھا۔ یہود سے معاہدہ تھا جس کی انہوں نے خلاف ورزی کی۔ ان کو رسول اللہ ﷺ نے اصلاح کے مواقع دیئے مگر اس کے باوجود وہ سازشیں کرتے رہے، معاہدات کی خلاف ورزی کرتے رہے لہٰذا تنبیہ کے بعد انہیں مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا۔

سوال: کیا یسر اور وسط ایک چیز ہے؟ جب یسر کو بنیاد بنا کر کسی معاملے میں غفلت کی جائے تو کیا نتیجہ ہوگا۔

جواب: وسطیت میں یسر کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ دین میں یسر کی حدود متعیّن ہیں، ان حدود کے دائرے میں رہتے ہوئے اہل علم و اجتہاد طے کریں گے کہ کہاں کس حد تک سہولت دی جا سکتی ہے۔ یسر صرف اللہ کی دی ہوئی سہولت سے فائدہ اٹھانا ہے۔ اس کا زیادہ تر تعلّق قانون سازی سے ہے تو وہ لوگ جو مقنّن اور مجتہد ہیں وہ امت کے لئے قانون سازی کرتے وقت اس اصول کو پیش نظر رکھیں گے۔ ہر شخص کو اتھارٹی نہیں ہے۔

Marfat.com

حوالہ جات

1۔ القرآن،الاحزاب:21

2۔ القرآن،التوبہ:128

3۔ القرآن،الانبیاء:107

4۔ القرآن،ابراہیم:1

5۔ القرآن،القلم:4

6۔ بخاری، محمد بن اسماعیل،امام، الجامع الصحیح، (ح:3455)، ناشر المکتبۃ الرحیمیۃ دیوبند، 1387ھ،وقشیری،مسلم بن حجاج،الصحیح،(ح:1842)

7۔ القرآن،القلم:4

8۔ القرآن، آل عمران:159

9۔ بخاری،محمد بن اسماعیل،امام،الجامع الصحیح،(543/1)

10۔ القرآن،المنافقون:8

11۔ بخاری،محمد بن اسماعیل،امام،الجامع الصحیح،کتاب التفسیر،(ح:4901)

12۔ القرآن،التوبۃ:80

13۔ بخاری،محمد بن اسماعیل،امام،الجامع الصحیح،کتاب التفسیر،(ح:4670)

14۔ القرآن،التوبۃ:84

15۔ القرآن،النساء:28

16۔ بخاری،محمد بن اسماعیل،امام،الجامع الصحیح،کتاب الأذان،(ح:777)

17۔ بخاری،محمد بن اسماعیل،امام،الجامع الصحیح،کتاب الصوم،(ح:1948)

18۔ بخاری،محمد بن اسماعیل،امام،الجامع الصحیح،کتاب الایمان،باب: الدین یسر،رقم الباب(79)

19۔ بخاری،محمد بن اسماعیل،امام،الجامع الصحیح،(ح:1472)

20۔ القرآن،الاعراف:157

Marfat.com

21۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، (ح:4780)

22۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، کتاب الأذان، (ح:703)

23۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، کتاب الأذان، (ح:703)

24۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، (ح:705)

25۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، (ح:69)

26۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، (ح:39)

27۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، تحت باب: الدین یسر قبل الحدیث (ح:39)

28۔ احمد، احمد بن محمد بن حنبل، امام، المسند، (22291)، حدیث أبی امامۃ

29۔ قشیری، مسلم بن حجاج، امام، الجامع الصحیح

30۔ ابوداوٗد، سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب الأدب، (ح:4904)، وحسنۃ الألبانی فی الصحیحۃ

31۔ القرآن، البقرہ:143

32۔ القرآن، النساء:171

33۔ القرآن، البقرہ:185

34۔ القرآن، الحج:78

35۔ القرآن، البقرہ:286

36۔ القرآن، النساء:28

Marfat.com

چھٹا خطبہ

اسوہ حسنہ اور اصول احتساب

محترم صدر مجلس، معزز اساتذہ کرام اور عزیز طلبہ سیرت کے مختلف پہلوؤں پر ہماری گفتگو کا سلسلہ چل رہا ہے۔ اب تک جو سیرت پر ہم گفتگو کر چکے ہیں، اس میں منصوبہ بندی سے لے کر اصول تیسیر تک بہت سے موضوعات پر گفتگو کی گئی۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آج کے موضوع کا بھی پچھلے موضوعات کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اگر آپ منصوبہ بندی پر غور کریں تو آپ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ احتساب کے بغیر صحیح منصوبہ بندی ممکن نہیں۔ مقاصد کے تعین اور اس کے وسائل کی چھان پھٹک میں بھی اصول احتساب پر عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔

تدریج ترجیح کے اصولوں کی طرف آئیں تو اس کی تفصیلات طے کرنے میں بھی بھرپور احتساب کی ضرورت ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ یہ احتساب کا عمل کیسے شروع ہوا؟ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ میں اس کی تعلیم کیسے ملتی ہے؟ رسول اکرم ﷺ ہمیشہ اپنے مقام اور منصب اور اپنے منہج تعلیم کے مطابق اس کی تربیت دیا کرتے تھے۔ احتساب انفرادی بھی ہوتا ہے اور اجتماعی بھی ہوتا ہے۔ سیرت میں دونوں طرح کے احتساب کی مثالیں ملیں گی۔ فرد بھی اپنا محاسبہ نفس کرتا ہے لیکن یہ عمل باقاعدہ تربیت چاہتا ہے، تاکہ اس کے مثبت، مفید اور اصلاحی اثرات مرتب ہوں اور اصل احتساب یہی ہے، اس لئے فرد کی اصلاح پر معاشرہ کی اصلاح کا دارومدار ہے۔ اجتماعی احتساب بھی ضروری ہے۔ محض فرد کے احتساب پر اکتفا نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ بات ذہن میں رہنا چاہئے کہ اجتماعی احتساب بہت مشکل کام ہے۔ اجتماعی احتساب شریعت کے دائرے

Marfat.com

میں رہ کر عمل میں لانا چاہئے۔ دوسروں کے احتساب کا مقصد اصلاح دوسروں کی تذلیل وتحقیر نہیں بلکہ احتساب اصلاح کی کوشش اور سنجیدہ نصیحت کا نام ہے۔ موجودہ دور میں احتساب دوسروں کی تحقیر و تذلیل کا ذریعہ بن گیا ہے۔ انسان جب اسوہ حسنہ سے دور ہوتا ہے تو اس نہج پر بھی آ جاتا ہے۔ اس کے منفی اور تباہ کن اثرات کا مشاہدہ ہم اپنے معاشرہ میں کر سکتے ہیں۔

اخلاقی اقدار کو اجاگر کرنے کے لئے احتساب کا عمل ضروری ہے:

رسول اکرم ﷺ اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ آپ ﷺ اس اعلیٰ معیار سے کبھی نہیں ہٹے بلکہ اعلیٰ اخلاقی اقدار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے عمال کا احتساب فرماتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی کو عامل صدقات مقرر کیا اور انہیں وصولی کے لئے مدینہ منورہ سے باہر بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ کے یہ عامل صدقات کی وصولی کے بعد مدینہ تشریف لائے اور تمام صدقات کا مال رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کر دیا، انہیں جو کچھ لوگوں نے صدقات کی مد میں دیا تھا وہ پیش کر کے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ تو سب صدقات کی مد میں ہے۔ البتہ یہ کچھ اشیاء ہیں جو لوگوں نے مجھے بطور ہدیہ پیش کی ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے چہرہ پر ناراضگی کے اثرات نمایاں ہوئے اور فرمایا کیا اگر تم اپنی ماں کے گھر بیٹھے رہتے تو کیا پھر بھی یہ تحفے تمہیں ملتے۔ پھر آپ ﷺ نے خطبہ دیا۔ اس خطبے میں غور طلب پہلو یہ ہے کہ خطبہ میں رسول اکرم ﷺ نے ستر عیب کا خیال رکھا۔ نام لئے بغیر آپ ﷺ نے فرمایا ''ما بال أقوام'' کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ صدقات کا مال ہے اور یہ ہمیں تحائف ملے ہیں! بھلا اگر عامل صدقات مقرر نہ کیا جاتا تو کیا تب بھی یہ تحفے ملتے! اس کے بعد وہ تمام تحائف وہدایا بھی بیت المال میں جمع کر لئے گئے۔ (1)

Marfat.com

اس حدیث کی بنیاد پر فقہاء نے یہ اصول طے کر دیا کہ اگر کوئی فرد کسی سرکاری عہدے پر فائز ہو تو وہ تحفے نہیں لے سکتا، اگر اسے کوئی تحفہ ملا بھی تو وہ اس کے لئے رشوت تصور کیا جائے گا، اور اسے بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔ اس روایت کو فقہاء اور محدثین دونوں نے ذکر کیا مگر انہوں نے بھی بہتر یہی جانا کہ اس صحابی کا نام نہ لیا جائے۔ فقہاء نے ایسا اس لئے نہیں کیا کہ وہ صحابی کا نام نہیں جانتے تھے بلکہ اس لئے کیا کہ جس کا ستر عیب رسول اللہ ﷺ نے رکھا، وہ اس کو نہ کھولیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے احتساب ہے اس میں نہ طنز و حقارت ہے نہ تذلیل و تحقیر۔ محاسبہ کا اصل مقصد اصلاح ہے اپنی بھی اور معاشرے کی بھی۔ مگر اصلاح کا آغاز و ابتداء اپنی ذات سے ہوتا ہے۔ اگر کسی انسان کے اندر عیوب اور خامیاں پل رہی ہوں تو اسے دوسروں کی عیب جوئی کرنے کا کوئی حق نہیں۔ عیب جوئی تو وہ ہی کرتا ہے جس میں کوئی خوبی نہ ہو۔ وہ اپنی ذات کی تعمیر دوسروں کی تخریب پر کرنا چاہتا ہے اور اس برائی سے شریعت روکتی ہے اس لئے کہ یہ اخلاقی اقدار کے خلاف ہے۔ احادیث میں کثرت سے احتساب کا ذکر آتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اور قرآن حکیم نے اس بات کی بہت زیادہ تعلیم دی کہ اللہ کی ذات پر ایمان رکھو اور اس بات پر یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ جلد حساب لے گا۔ اس بارے میں بہت سی آیات ہیں مثلاً

آخرت کا حساب و کتاب دنیا میں محاسبہ نفس پر آمادہ کرتا ہے:

"وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ" (2)

"اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔"

"وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ" (3)

Marfat.com

''اور ہم قیامت کے روز ہم عدل و انصاف کے موازین قائم کر دیں گے پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا ہم اسے لا حاضر کریں گے اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے''۔

آخرت میں حساب و کتاب کی تیاری کیسے ہوسکتی ہے اگر انسان اس دنیا میں اپنے اعمال اور اپنی ذات کا احتساب نہ کرے اور دنیا کی عملی زندگی میں اگر بندہ یہ بھول جائے کہ اسے حکم الحاکمین کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے، اس دن ایک ہی عدالت ہو گی۔ اس میں تمام شواہد بھی موجود ہوں گے، وہاں دنیا کی عدالتوں کی طرح نہ جھوٹی گواہیاں ہوں گی نہ ہی من گھڑت اور جعلی دستاویز پیش کی جاسکیں گی بلکہ ہر فرد کی مکمّل وڈیو وہاں موجود ہوگی، وہاں جو حساب و کتاب ہونا ہے کیا اس کے لئے ہم نے دنیا میں اپنے احتساب کا کھاتہ کھولا ہوا ہے؟ جس کا ایمان پختہ ہوگا وہ ہمیشہ اپنا احتساب کرے گا اور وہ کبھی احتساب سے نہیں رک سکتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے ''فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ'' (4) ''بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے''۔

اخلاص اور ضبط نفس کے لئے احتساب ضروری ہے:

اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسانی اعمال کے حساب و کتاب سے متعلّق قرآنی آیات کو غور سے دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس قدر تنبیہہ کے ساتھ آگاہ کر دیا ہے۔ قرآنی تعلیمات کا شعور رکھنے والا بندہ مومن کبھی بھی اپنے محاسبہ نفس و عمل سے غافل نہیں رہ سکتا۔ پھر انسان کو اپنے اندر ضبط نفس پیدا کرنے کی بھی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ انسان میں خیر اور شر دونوں صلاحیتیں ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السّلام

Marfat.com

اس طرح سے لوگوں کی تربیت کرتے ہیں کہ انسان اپنے اندر اعتدال پیدا کرے اور ضبط نفس سے کام لے۔ اپنے اندر سے بغض، عناد، تعصّب اور نفاق وغیرہ ایک ایک کر کے ختم ہو جائے۔ اس سارے عمل میں اس کی نظر اس بات پر ہوتی ہے کہ اس کے اس عمل سے اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو جائے۔ عبد مومن اس طرح اپنا محاسبہ کرتا رہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ'' (5)

''یاد رکھیئے دین خالص اللہ ہی کی لئے ہے''۔

اللہ تعالیٰ اخلاص کے ساتھ عبادت اور دین حنیف پر عمل کی دعوت دیتے ہیں:

''هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ'' (6)

''اللہ تعالیٰ تو حی (وقیوم) ہے، اس کے سوا تو کوئی معبود نہیں۔ لہٰذا خالصتاً اس کے دین سے وابستہ رہ کر اسے پکارو''۔

اللہ مخلصین سے محبّت کرتا ہے، تو مخلص بننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے نفس پر پوری طرح کنٹرول کریں۔ یہ اللہ کی نعمتوں کے حصول کا بھی ذریعہ ہے اور شر سے بچنے کا ذریعہ بھی ہے، نفس پر کنٹرول وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے ہیں۔

''وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ'' (7)

''اور اگر ہم انسان کو اپنی نعمت کا ذائقہ چکھا کر پھر اسے اس سے لے لیں تو وہ بہت ہی ناامید اور بڑا ہی ناشکرا بن جاتا ہے''۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نعمتوں سے نوازتا بھی ہے اور نعمتیں واپس بھی لے لیتا ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے امتحان ہے۔ دنیا میں مال و دولت، مناصب وعہدے ملتے بھی ہیں ختم بھی ہو جاتے ہیں ہمیشہ نہیں رہتے۔ کامیابی کا راز اس بات میں ہے کہ انسان اپنے اعمال کا جائزہ لیتا رہے، اگر اسے کوئی منصب ملا تو اس نے کس طرح احساس ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض کو ادا کیا۔ مال و دولت ملی تو ان کا استعمال کہاں اور کیسے کیا، مشکلات اور تنگی کا وقت آیا تو کس طرح صبر و تحمل کے ساتھ وقت گزارا؟ ہوسکتا ہے کہ دنیوی زندگی میں آپ سے آپ کے اعمال و کردار کے بارے میں کوئی سوال نہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب والشہادۃ ہے وہ ضرور ایک دن ہر چھوٹے اور بڑے عمل کا حساب لے گا۔ جن لوگوں کی نظر قیامت میں اللہ تعالیٰ کی عدالت اور اس کے محاسبہ پر رہتی ہے وہی صحیح معنی میں اپنا محاسبہ کر کے اپنی اصلاح کرتے ہیں۔ صحابہ کرام تو عہدوں اور مناصب کے بارے میں بہت محتاط رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اعلیٰ عہدوں کے حصول کے لئے بھاگ دوڑ کرنے اور طلب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ نیز فرمایا کہ جب اعلیٰ مناصب کسی طلب و کوشش کے بعد محض صلاحیت اور قابلیت کی بنیاد پر ملتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد بھی ایسے شخص کو حاصل ہوتی ہے۔ اور جو لوگ بھاگ دوڑ کر کے غلط طریقوں سے عہدے حاصل کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و نصرت سے محروم رہتے ہیں۔ لہٰذا اگر انسان اس دنیا میں بچنے کی کوشش کرے کہ یہ عہدے بڑی ذمہ داری ہیں، اور اگر انہیں قبول کرے تو مکمّل احساس امانت اور آخرت میں جواب دہی کے احساس کے ساتھ قبول کرے، اور قبول کرنے کے ساتھ اپنے فرائض و اعمال کا جائزہ بھی لیتا رہے، اس لئے کہ اپنے محاسبہ سے نہ صرف اعمال بہتر ہوں گے بلکہ فرائض کی ادائیگی میں بھی نکھار پیدا ہوگا۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کو کہا تھا "إنک ضعیف" (8) "کہ تم کمزور ہو"۔ یہ الفاظ آپ ﷺ نے حضرت ابوذرؓ کو کہے تھے۔ ابوذرؓ جیسے صحابی کے ایمان اور اعمال میں تو ضعف کا شائبہ نہیں مگر ان کو یہ کہہ کر طلب عہدہ سے منع فرمایا کہ تم اس ذمہ داری سے پوری طرح عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اس قسم کے انتظامی عہدوں کے لئے انتظامی صلاحیت، سیاسی اثر ورسوخ اور فیصلوں کے تنفیذ کی قوت وصلاحیت بھی ضروری ہے۔

جب نعمت ملتی ہے تو انسان اس کے گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جب چلی جائے تو اس کے غم میں پریشان ہو جاتا ہے۔ تو اس کو بتایا دیا کہ انسان کے اس رویے کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جب نعمت ملتی ہے تو خوش ہوتا ہے اور چلی جائے تو مایوس اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔ یعنی خوشی میں بھی اعتدال رکھنا ضروری ہے اور حالت غم میں بھی۔ جتنا پریشان اعلیٰ عہدہ دار ہوتا ہے عام انسان اتنا نہیں ہوتا۔ انسان کو اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ نعمت مل جائے تو بھی اعتدال قائم رہے تنگی ہو تب بھی۔ زندگی میں اعتدال اور توازن قائم نہیں ہو سکتا جب تک شروع سے ہی محاسبہ کی عادت نہ ڈالی جائے۔ اس کی شروع سے تربیت کی ضرورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی روایت ہے محدثین نے اس کو بیان نہیں کیا بلکہ اسے ضعیف کہا ہے۔ البتہ صوفیاء کے ہاں اس یہ روایت ملتی ہے اس حدیث کے مضمون کا شریعت سے کوئی تصادم نہیں۔ محدثین کا اصول ہے کہ تصادم نہ ہو بلکہ تائید ہوتی ہو تو روایت قبول کر لی جاتی ہے۔ اس روایت کو خطیب بغدادی نے بھی "اقتضاء العلم والعمل" میں نقل کیا۔ ناصر الدین البانی نے بھی تحقیق کر کے اس کتاب کو مدون کیا ہے۔ یہ روایت انہوں نے نقل کی ہے۔

"من استوىٰ یوماہ فھو مغبون .... الخ"

Marfat.com

""جس شخص کے دو دن ایک سے گزر گئے وہ خسارے میں ہے اور اگر گزشتہ کل آج بہتر تھا تو وہ سراسر محروم ہے""۔

اس کا مطلب یہ ہے ہر آنے والا دن گزشتہ دن سے بہتر ہونا چاہئے۔ اگر بہتر نہ ہو تو وہ خسارے میں ہے۔

فکری ارتقاء احتساب کے بغیر ممکن نہیں:

فکری ارتقاء (Intelectual Development) اور عملی صلاحیت کو اجاگر کرنے کے لئے یہ بڑا اہم اصول ہے گویا فکری ارتقاء مسلسل جاری رہنا چاہئے۔ مومن کا فکری اور عملی ارتقاء کم نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ تو ہمیں بہت بلندی پر لے جانا چاہتا ہے مگر ہم جگہ جگہ رک جاتے ہیں اور اسی حدیث میں آگے ارشاد فرمایا ""ومن کان أمسه خير من يومه فهو محروم"" کہ جس کا گذشتہ کل آج کے دن سے بہتر تھا تو وہ محروم ہے۔ یہ اصول اس قدر قیمتی ہے کہ ہمارے سارے معاملات میں نظر آنا چاہئے۔ ہمیں اپنی عبادات میں بھی اس اصول کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ ہماری ہر نماز میں خشوع و خضوع کی کیفیت پہلے سے زیادہ بہتر ہونا چاہئے تاکہ ہر نماز پچھلی نماز سے زیادہ بہتر ہو۔ اگر نماز اس طرح پڑھی کہ محض رسم بن کر رہ گئی، اور تعلق مع اللہ قائم نہ ہوا، اللہ اکبر کہہ کر نہ جانے کتنے خیالات ذہن اور دل میں جاری رہے تو ایسی نماز کا کیا مقصد؟

""اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ"" (9)

""نماز تو ہر قسم کے فحشاء اور منکر سے روکتی ہے""۔

جرائم دو قسم کے ہوتے ہیں ایک جنسی جرم ہے، اور دوسرا قانون شکنی ہے اگر یہ دونوں جرائم مسلم معاشرہ میں پائے جا رہے ہیں تو ہمیں جائزہ لینا چاہئے کہ ہماری نماز میں کیا نقص ہے۔ نقص معلوم کر کے اس کو دور کرنا ضروری ہے، یہی محاسبہ ہے۔

Marfat.com

سیدنا مہران بن میمون کی روایت محدثین نقل کرتے ہیں کہ ’’جو شخص اپنا محاسبہ نہیں کرسکتا وہ متقی نہیں ہوسکتا‘‘۔ تقویٰ محاسبہ کے بغیر پیدا نہیں ہوتا اور تقویٰ کے ذریعہ ہی قلب مومن میں فرقان پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں اور قرآن کی تعلیم میں ایسی چیزیں ملیں گی جو براہ راست یا بالواسطہ محاسبہ نفس کی دعوت دیتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو اتنا عادی کر دیا کہ وہ ہر رات اپنے عمل کا جائزہ لیتے کہ کیا کام ہو گئے کیا رہ گئے کیوں رہ گئے اور جو کام انجام دے گئے وہ کس قدر معیاری تھے؟ نیز یہ کہ میں نے اپنے وقت کا صحیح استعمال کیا یا نہیں کیا؟ آخرت میں جوابدہی سے پہلے یہاں کیوں نہ جوابدہی کر لی جائے! فرمان باری تعالیٰ ہے:

’’اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ‘‘ (10)

’’کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ انہیں ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد ویسے ہی چھوڑ دیا جائے گا اور آزمائش سے نہیں گزریں گے؟‘‘

آزمائش ہر شخص پر آتی ہے بڑے دولت مند پر بھی اور غریب پر بھی۔ حکمرانوں پر بھی اور عام لوگوں پر بھی، سوال یہ ہے کہ آزمائش میں ہمارا کردار کیا ہونا چاہئے؟ اور نعمت و خوشحالی میں کیا ہونا چاہئے؟ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ابتلاء اور آزمائش میں تو انسان بہت حد تک بچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یاد بھی کر لیتا ہے۔ فرعون کو بھی دریا میں غرق ہونے کے وقت اللہ یاد آ گیا تھا، مگر نعمتوں اور اقتدار کی حالت میں وہ اپنے رب کو بھول گیا تھا۔ آزمائش میں خود پر کنٹرول رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن زیادہ

Marfat.com

دولت اور خوشحالی میں لوگ زیادہ بگاڑ اور خرابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس خرابی سے نجات کا علاج محاسبہ ہے۔

مراقبہ بھی محاسبہ کی ایک صورت ہے:

صوفیاء کے ہاں مراقبے کا اصول بھی اہمیت رکھتا ہے۔ مراقبہ کا تصور ماخوذ ہے۔ قرآن حکیم کی اس آیت سے:

"وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا" (11)

"اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے"۔

یہ تصور حدیث احسان میں بھی ملتا ہے۔

"أن تعبد الله كأنك تراه" (12)

"کہ تم اللہ کی عبادت ایسے کرو کہ گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو"۔

یعنی عبد مومن مشاہدہ حق کے مقام پر پہنچ جائے۔ عبادت اس انداز میں ہو کہ اللہ کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اس حالت میں نماز یا روزہ یا تسبیح جو بھی ہو اس میں حسن، خوبی اور کمال ضرور پیدا ہو گا۔ مشاہدہ حق کی کیفیت سے کمال کی جانب (Perfection) سفر شروع ہو جائے گا۔ اگر تلاوت کرتے ہوئے یہ یقین مستحکم ہونے لگے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے کلام کر رہے ہیں تو اس میں بھی کمال پیدا ہو گا۔ دوسری کیفیت حضوری کی کہ:

"فإن لم تكن تراه فإنه يراك"

"کہ آپ نہیں بھی دیکھ رہے تو اللہ تعالیٰ تو ضرور دیکھ رہا ہے"۔

یہ حضوری کی کیفیت ہے۔ یہ کیفیت ہو گی تو بھی اصلاح ہو گی، اور بندہ کی صلاحیتیں مزید اجاگر ہوں گی۔

Marfat.com

"فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ" (13)

''جو شخص نیکی میں سبقت کرے وہ اسی کے لئے بہتر ہے''۔

جو لوگ بھی اچھا کام کریں گے تو اس کا ایک اچھا اثر (Impact) ضرور ہوگا۔ آخرت میں تو اس کا نتیجہ ضرور برآمد ہوگا۔ دنیا میں بھی اس کا اچھا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ آج امت مسلمہ برائیوں اور مشکلات میں مبتلا ہے، اس لئے کہ آج ہم میں یہ کیفیت موجود نہیں ہے۔ ہم نے حدیث احسان کے سبق کو بھلا دیا ہے۔

"وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ" (14)

''لوگو! بھلائی کے کام کرو فلاح و کامیابی اسی میں ہے''۔

آیات مبارکہ اور حدیث احسان بندہ کو اصل مراقبے کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ مراقبہ یہ ہے کہ انسان سکون قلب کے ساتھ اللہ کی عظمت و کبریائی اور قدرت کے شعور کے ساتھ اس کی ذات کی طرف متوجہ ہو۔ اس توجہ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے شعور سے قلب مومن نور الٰہی کو منعکس کرنے لگتا ہے۔ جب یہ انعکاس ہوتا ہے تو انسان کو اپنے اندر بے شمار عیوب نظر آتے ہیں اور پھر ان عیوب پر شرمندگی ہوتی ہے کہ میں کن آلودگیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا ہوں۔ بس اس احساس سے ہی محاسبہ شروع ہو جاتا ہے جس سے اصلاح کا عمل شروع ہوتا ہے۔

یہ اصلاح دو پہلوؤں سے ہوتی ہے۔ ایک طرف امراض باطنہ اور رذائل سے نجات ملتی ہے، دوسری طرف فضائل اور اعلیٰ اقدار پھلتی پھولتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ''حاسبوا قبل ان تحاسبوا '''' اپنا محاسبہ کرلو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے''۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو کتنا عادی بنا دیا کہ ہر شخص اپنا محاسبہ

Marfat.com

خود کرتا اور بعض پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی کہ وہ پریشان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی حالت بیان کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوتے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ ایک بار پریشان حال گھر سے نکلے یہ سوچتے ہوئے کہ ہمارے دلوں کی وہ کیفیت جو رسول اللہ ﷺ کی محفل میں ہوتی ہے وہ اپنے گھر واپس آ کر نہیں رہتی، تو کہیں ہم میں نفاق تو پیدا نہیں ہو گیا؟ اس خیال سے پریشان ہو کر حضرت حنظلہؓ گھر سے نکلے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جائیں اور انہیں بتائیں کہ کہیں مجھ میں نفاق تو پیدا نہیں ہو گیا۔ حضرت حنظلہؓ پریشانی کی حالت میں جاتے ہیں، راستے میں ایک اور صحابی ملے انہوں نے حضرت حنظلہؓ کو اس حالت میں جاتے ہوئے دیکھا پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ حضرت حنظلہؓ نے اپنا خیال اور اپنی کیفیت انہیں بتائی تو انہوں نے کہا کہ یہ صورتحال تو ہمارے ساتھ بھی ہے، وہ کیفیت جو رسول اللہ ﷺ کی محفل میں ہوتی ہے بیوی بچوں میں آ کر باقی نہیں رہتی، وہ بھی حضرت حنظلہؓ کے ساتھ ہو گئے۔ رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کی کہ یہ ہمارا حال ہے۔ آپ ﷺ نے سن کر ان کو تسلی دی فرمایا کہ تم منافق نہیں ہو۔ یہ درست ہے کہ گھروں میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مصروفیت میں وہ کیفیت نہیں رہتی جو مہبط وحی اور رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ہوتی ہے۔ صحبت رسول ﷺ کی بات ہی اور ہے۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد پر وہ مطمئن ہوئے۔ (15)

اس روایت سے صحابہ کے خود احتسابی کی عادت کا علم ہوتا ہے۔ ایک روایت ہے کہ ''الکیس من دان نفسہ'' (16) ''سمجھدار انسان وہ ہے جو اپنے نفس کو سمجھتا ہو''۔

اس کی وضاحت حضرت علیؓ نے اس طرح فرمائی کہ ''من عرف نفسہ فقد عرف ربہ'' ''کہ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا''۔

Marfat.com

اجتماعی احتساب:

اس قسم کی اور بھی کئی روایات ہیں۔ پھر انفرادی احتساب سے انسان اجتماعی احتساب کی طرف آتا ہے مگر اجتماعی احتساب بعد میں ہے۔ پہلے انفرادی احتساب ہوتا ہے جیسے کہ حدیث میں ہے کہ ''ابدأ بنفسک'' آغاز اپنی ذات سے کرو جبکہ ہم ہمیشہ اپنی ذات کو پاکیزہ سمجھتے ہوئے دوسروں کے احتساب سے شروع کرتے ہیں۔ بڑے سے بڑا جھوٹ بولنے والا برسرعام آ کر دوسروں کو جھوٹا کہتا ہے۔ نہ ہمارے پاس تربیت کا نظام ہے اور نہ سیرت کی روح ہمارے اندر کارفرما ہے۔ اب آزادی تحریر وتقریر کے نام پر جو چاہیں دوسروں کے بارے میں کہیں۔ ہر شخص آزاد ہے اور وہ اس نام نہاد آزادی کے نام پر جو اس کا دل چاہے وہ کرے۔ اس صورت حال نے ہمارے معاشرہ میں بڑے فتنے پیدا کیے ہیں۔ ہمیں کچھ حدود تو متعیّن کرنا ہوں گی۔ اگر آپ کہیں کہ ہمیں حق ہے کہ ہم جا کر پارلیمنٹ کے راستے بند کر دیں، لوگوں کو جب چاہیں کاروبار زندگی سے محروم کر دیں، تعلیمی اداروں کو تالے لگا دیں، ہسپتالوں اور رفاہی اداروں کے راستے بند کر دیں، اگر آپ جم غفیر لے کر جائیں تو سارا میڈیا کہے گا کہ یہ ان کا حق ہے لیکن ان کے اس مظاہرے کی وجہ سے کتنے ضرورت منداپنے حقوق سے محروم ہو گئے۔ حالانکہ دھرنوں کی صورتحال سے دھرنوں کے مقام کے قرب و جوار والے کتنا تنگ ہوئے، ان میں سے بعض لوگوں کو اپنی رہائش تک چھوڑنا پڑی۔ آخر آپ کو کس نے یہ حق دیا کہ لوگوں سے ان کی رہائش گاہیں چھڑوائیں؟ (یعنی آزادی تحریر وتقریر اور احتجاج اس حد تک بلا قید وشرط ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس سے دوسرے انسانوں کے بنیادی حقوق متاثر ہوتے ہیں)۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل:

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں تو اتنی مثالیں ملتی ہیں آپ ﷺ نے صحابہ کے ساتھ نہایت محبّت و شفقت اور دوستانہ کا تعلّق رکھا۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کی نظر فرد و معاشرہ کی اصلاح پر تھی۔ صحابہ کرامؓ بھی نہایت احترام و عقیدت، مگر نہایت بے تکلّفی کے ماحول میں آپ ﷺ سے سوال بھی کر لیا کرتے تھے، ضرورت کے وقت مشورہ بھی دیتے تھے۔ بلکہ صحابہ کرام تو نہایت اطمینان سے سوال کر لیتے کہ آپ ﷺ یہ حکم وحی کی بنیاد پر فرما رہے ہیں یا رائے کی بنیاد پر۔ آپ ﷺ کا فرمان رائے پر ایسا بھی ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کسی معاملے میں حکم فرماتے تو صحابہ بھی اپنی رائے دے دیتے تھے۔ آپ ﷺ بھی ممبر پر آ کر فرمایا کرتے تھے "أشیروا فی الامر" "لوگو! مجھے اس معاملہ میں مشورہ دو"۔ لوگ رسول اللہ ﷺ کو بلا جھجک مشورہ دیتے تھے۔ یہ باہم مخلصانہ تعلّق بہت عظمت، بڑی محبّت اور بے تکلّفی کا تھا۔ کیونکہ انتقال علم اور اصلاح کے لئے بے تکلّفی ضروری ہے۔ اس لئے کہ حجابات حائل ہوں تو نہ علم منتقل ہوتا ہے، نہ ہی اصلاح و دعوت کا کام آگے بڑھتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اصلاح اعمال اور تزکیہ نفس خوشگوار اور بے تکلفانہ ماحول میں کیا۔ اس سلسلے میں ایک دفعہ حضور ﷺ نے اپنے ایک صحابی کو بے تکلّفی اور مزاح کے انداز میں چھڑی مار دی۔ صحابی نے اس کو بھی اپنے لئے ایک اعزاز محسوس کیا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری وقت میں اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کیا کہ اگر میں نے کسی سے زیادتی کی ہے تو اپنا بدلہ لے لے۔ یہ ایک موثر انداز تھا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو یہ پیغام دیا کہ کوئی فرد بھی قانون، ضابطہ اور محاسبہ سے بالاتر نہیں۔ غور کیجئے

Marfat.com

کہ رسول اللہ ﷺ اپنے آپ کو محاسبہ کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ کا مقام و منصب عام قائد کی طرح نہیں ہے۔ آپ ﷺ منصب رسالت پر فائز ہیں۔ آپ ﷺ کی اطاعت سے انحراف دائرہ ایمان سے خارج کر دیتا ہے۔ اس عظیم ہستی نے یہ عملی درس دیا کہ آئندہ آنے والی قیادت اور معاشرہ کا ہر فرد قانون ضابطہ اور اجتماعی محاسبہ کے نظم کا پابند ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کے سوال پر ایک صحابی کھڑے ہوتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ ایک موقع پر آپ نے مجھے چھڑی ماری تھی میں تو انتقام لوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا لے لو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میری تو ننگی کمر تھی جہاں آپ ﷺ نے چھڑی لگائی تھی۔ آپ ﷺ نے بھی اپنی کمر ننگی کر لی تو انہوں نے آپ کی کمر پر مہر نبوت کا بوسہ لے لیا۔ اگر رسول بھی خود کو محاسبے سے بالاتر نہیں رکھتے تو کسی اور کو کیسے قانون سے بالاتر سمجھا جا سکتا ہے۔

ابو موسیٰ اشعری کا واقعہ:

ایک بار ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس ابو موسیٰ اشعری کی شکایت لے کر آئے (حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعری کو عامل بنایا تھا) کہا کہ انہوں نے مجھے دس چھڑیاں ماریں اور میرا سر بھی منڈوا دیا اور کہا کہ وہ عامل یہ سمجھتے ہیں کہ ان سے کوئی قصاص نہیں لے سکتا۔ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ فلاں شخص نے مجھے یہ بات لکھی ہے اگر تم نے ایسا کیا ہے تو میں نے یہ عزم کر لیا ہے کہ تم سے قصاص لیا جائے گا۔ اگر تم نے یہ لوگوں کے سامنے کیا ہے تو تم کو بھی لوگوں کے سامنے بٹھا کر تم سے قصاص لیا جائے گا۔ اس واقعہ کو ابن الجوزی نے روایت کیا ہے۔

ابو مسلم اصفہانی کہتے ہیں لوگوں کی اصلاح کے لئے قائد کا ہونا ضروری ہے۔

Marfat.com

لیکن قائد کو لوگوں کے لئے بہترین نمونہ ہونا چاہئے، لیکن یہ ایک سانحہ ہے کہ کردار کے اعتبار سے اب ہمارے پاس کوئی لیڈر نہیں ہے۔ ہمارے قائدین کا اب وہ کردار نہیں جو قائداعظم اور علامہ اقبال کا تھا۔ لوگوں کی اصلاح کے لئے سنجیدہ، مخلص اور صاحب کردار قائد سیاسی اسٹیج پر لانا ہوگا۔ یہ اسی وقت ممکن ہے کہ ہم ووٹ کی امانت کو پوری دیانت داری اور سچائی کے ساتھ استعمال کریں۔ اگر ووٹ کے استعمال میں ہم نے خیانت کی تو اس کے بھیانک نتائج ہم کو ہی بھگتنا ہوں گے۔

مشہور مفکرؒ ابو مسلم خولانیؒ کا قول ہے:

"لا يصلح الناس إلا بالإمام ولا يصلح الإمام إلا بالناس"

"لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ باکردار قیادت ہوتی ہے، اور قائد کی اصلاح عوام کے ذریعہ ہوتی ہے"۔

عوام اور امام ایک دوسرے کی اصلاح کرتے ہیں، ایک دوسرے کی اصلاح کا ذریعہ پرخلوص اور ناصحانہ احتساب ہے۔ مگر سیرت طیبہ سے ہمیں انفرادی اور اجتماعی محاسبہ کی جو تعلیم دی گئی تھی، ہم نے اسے فراموش کر دیا ہے۔ کوئی شخص اپنا محاسبہ کرنے کو اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتا۔ حالانکہ یہ ہر ایک کی ذمہ داری ہے۔ کیا ہم اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں؟ اگر انفرادی طور پر اکثریت اپنے محاسبہ نفس میں کامیاب ہو جائے تو پھر اجتماعی محاسبے کا عمل بھی مثبت انداز میں شروع ہو جاتا ہے اور وہ شریعت کے دائرے میں ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کا وہ خطبہ نہایت اہم ہے جو انہوں نے خلافت کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے دیا۔

Marfat.com

أيها الناس انی قد وُلیت علیکم ولست بخیر کم، فإن أحسنت فأعینونی، وإن أسأت فقو مونی (17)

''لوگو! میں تم پر حکمران بنادیا گیا ہوں حالانکہ میں تم میں سے سب سے بہترین نہیں ہوں۔ اگر میں ٹھیک کام کروں میرا ساتھ دو اگر میں غلط کام کروں تو میری اصلاح کرو''۔

یہ حضرت ابوبکرؓ کی کی عاجزی تھی کہ وہ خود کو سب سے بہترین نہیں سمجھتے تھے حالانکہ ان کی عظمت اور رتبے کو نبی کے بعد کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

خلیفۂ راشد بھی احتساب سے بالاتر نہیں:

اس قسم کے الفاظ حضرت عمرؓ کے ہاں بھی ملتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کا جاہ و جلال اپنی جگہ لیکن اگر کہیں لوگوں کو ان کا محاسبہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی تو اس تمام جاہ و جلال کے باوجود لوگوں نے ان کو کبھی نہیں بخشا۔ ایک جمعہ میں وہ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو ایک آدمی کھڑا ہو کر کہتا ہے کہ اے عمرؓ ہم تمہاری بات نہیں سنیں گے جب تک تم یہ نہ بتاؤ کہ تمہارا لباس کیسے بنا۔ حضرت عمر فاروقؓ جو نہایت طویل القامت تھے، ان کے بارے میں مشہور تھا کہ جب وہ خچر پر بیٹھتے تو ان کے پاؤں زمین پر لگ جاتے۔ حضرت عمرؓ نے محاسبہ کرنے والے کو کچھ نہیں کہا، بلکہ اپنے صاحب زادے سے کہا کہ وہ اس اعتراض کا جواب دیں، اور بتائیں کہ حضرت عمرؓ کا لباس کیسے بنا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے پبلک میں بتایا کہ بیت المال سے جو کپڑا انہیں ملا تھا انہوں نے وہ اپنے والد کو دے دیا تھا تاکہ ان کا لباس بن سکے۔ اس جواب کے بعد اس شخص نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ اب ہم آپ کی بات سنیں گے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے:

Marfat.com

''أحب الناس إلی من رفع الی عیوبی''

''میرے نزدیک سب سے محبوب انسان وہ ہے جو آ کے چاپلوسی نہ کرے بلکہ میرے عیوب اور کوتاہیوں پر نظر رکھے اور مجھے تنبیہہ کرے''۔

جب تک انسان کی خامیوں اور کمزوریوں کی کوئی نشاندہی کرنے والا نہ ہو انسان کی اصلاح نہیں ہوتی۔ لہٰذا معاشرہ کی اس طرح تعلیم و تربیت کیجئے۔ لوگ باہم اصلاح احوال کے لئے مخلصانہ محاسبہ کے لئے تیار ہوں۔ محاسبہ کے عمل میں طنز و حقارت اور تحقیر و تذلیل کا عنصر ہرگز نہ آنے دیا جائے، اس لئے کہ طنز و حقارت اور تذلیل و تحقیر کی صورت میں اصلاح ممکن نہیں۔ یہ تو ایسے مفسد عناصر ہیں جو معاشرہ میں فتنہ و فساد پھیلانے کا سبب بنتے ہیں۔

منصب خلافت کی ذمہ داریاں:

قاضی بیضاوی نے حضرت آدمؑ کی خلافت کے مقام پر منصب خلافت کی چار ذمہ داریاں ذکر کیں ان میں:

1۔ عمارۃ الارض:

اس کا مطلب صرف زمین کی زراعت و کاشتکاری ہی نہیں بلکہ تعمیر و ترقی کی تمام صورتیں اس میں شامل ہیں۔ لہٰذا اس میں صنعت و حرفت اور تعمیر وغیرہ سب شامل ہیں۔

2۔ سیاسۃ الناس:

سیاست کے لفظ سے ذہن میں ایک منفی تصور ہی ابھرتا ہے اور یہ وہ تصور ہے جو اس وقت ساری دنیا میں رائج ہے۔ یعنی دھوکہ، جھوٹ، فریب اور عیاری وغیرہ سب

Marfat.com

برائیاں تصور سیاست کا حصہ ہیں۔ مگر ابتدائی اسلامی ادب میں سیاست کا لفظ بہت پاکیزہ رہا ہے۔ سیاست کا مفہوم لوگوں تہذیب و تعلیم اور تربیت ہے تاکہ وہ فلاح و کامیابی کے راستہ پر گامزن ہوں۔ لہٰذا یہ انبیاء کا مقام ہے۔ حدیث میں ہے ''کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء'' (18) یعنی بنو اسرائیل کی رہنمائی انبیاء کرتے تھے۔ انسان کی تہذیب اور تطہیر اعمال کا سارا کام فکری و اخلاقی تربیت کا فریضہ انبیاء انجام دیتے تھے۔ منافع و مصالح کی جدوجہد کے حصول، مشکلات و پریشانیوں اور برائیوں کی روک تھام سب سیاست میں شامل ہے۔ سیاسۃ الناس ایک اہم ذمہ داری کا نام ہے۔

3۔ تزکیہ النفوس:

یعنی انسان کی اخلاقی اعتبار سے ظاہر و باطن کی اصلاح کرنا تاکہ انسان علمی، فکری اور عملی اعتبار سے ایک بلند ترین مقام پر پہنچ جائے۔ ایسے تربیت یافتہ لوگ ایک اعلیٰ تہذیب اور بہترین تمدن قائم کرسکتے ہیں۔ اس کے بغیر معاشرے کا ارتقاء ممکن نہیں۔

4۔ تنفیذ علی الناس:

ان سب قوانین اور احکام کو انسانوں پر نافذ کرنا۔ دور خلافت میں یہ چاروں کام ہوتے رہے اور محاسبہ کا اصول ان میں مزید نکھار پیدا کرتا رہا۔(19)

ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا یا عمر اتق اللہ ! لوگوں نے سخت نظروں سے اس شخص کو دیکھا تو حضرت عمرؓ نے لوگوں کو کہا کہ اس کی طرف سخت نظروں سے نہ دیکھو۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایسی قوم کا امیر بنایا جس کے لوگ مجھ پر گہری نظر رکھتے ہیں اور میری اصلاح کرنے میں مدد کرتے ہیں۔

Marfat.com

انفرادی اور اجتماعی اصلاح کا عمل معاشرہ میں جاری ہو جائے تو پھر معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ کسی فرد پر جرح ونقد کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ لوگوں پر بے جا تنقید کی جائے۔ بلاوجہ اور بلاضرورت لوگوں کے عیوب کو اجاگر کیا جائے۔ اصلاح کا مقدس فریضہ بااصول محاسبہ کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں رسول اکرم ﷺ کی زندگی کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

Marfat.com

حوالہ جات

1۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، (ح: 4174)، ومسلم، مسلم بن حجاج، امام، الصحیح، (ح: 1832)، وابوداؤد، سلیمان بن اشعث، امام، السنن، (ح: 2946)

2۔ القرآن، الانعام: 62

3۔ القرآن، الانبیاء: 47

4۔ القرآن، آل عمران: 19

5۔ القرآن، الزمر: 3

6۔ القرآن، المؤمن: 65

7۔ القرآن، ھود: 9

8۔ مسلم، مسلم بن حجاج، امام، الصحیح، (ح: 1845)

9۔ القرآن، العنکبوت: 45

10۔ القرآن، العنکبوت: 2

11۔ القرآن، الاحزاب: 53

12۔ مسلم، مسلم بن حجاج، امام، الصحیح، کتاب الایمان، (ح: 8)

13۔ القرآن، البقرہ: 184

14۔ القرآن، الحج: 77

15۔ مسلم، مسلم بن حجاج، امام، الصحیح، (ح: 2675)، ترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام، الجامع، (ح: 2514)، ابن ماجہ، السنن، (ح: 4239)

16۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام، الجامع، (ح: 2459)، قزوینی، ابن ماجہ، امام، السنن، (ح: 4260)

17۔ ابن سعد، طبقات الکبریٰ، 149/3

18۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، (ح: 3455)، ومسلم، مسلم بن حجاج، امام، الصحیح، (ح: 1842)

19۔ بیضاوی، عبداللہ بن عمر، ناصرالدین، امام، تفسیر البیضاوی، تفسیر سورۃ البقرہ، ناشر: مکتبہ رحمانیہ غزنی سٹریٹ، لاہور، (ص: 157)

Marfat.com

ساتواں خطبہ

فکری ارتقاء اور تعمیر شخصیت سیرت طیبہ کی روشنی میں

محترم صدر مجلس، اساتذہ کرام اور عزیز طلبہ، سیرت کے مختلف موضوعات پر گفتگو کا سلسلہ جاری ہے۔ ہم نے سیرت طیبہ کے بعض دستوری اور انتظامی اصولوں پر بحث کی ہے۔ آج کی گفتگو کا موضوع فکری ارتقاء (Intelectual Development) اور تعمیر شخصیت ہے۔ اس اہم فریضہ کو رسول ﷺ نے کس طرح انجام دیا اور یہ کہ آپ ﷺ نے انسان کو فکری بلندی اور کردار کی عظمت پر کیسے پہنچایا؟ یہ عظیم الشان کام وہی کر سکتا تھا جس کی عظمت وشان کو قرآن کریم نے اس طرح بیان کیا ''وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ'' (1) ''ہم نے آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کیا'' اور ''وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' (2) ''یقیناً آپ ﷺ بہت بلند اخلاق کے مالک ہیں''۔ انسان نے تو اپنی تخلیق کے آغاز سے مکمّل علم کی روشنی میں دنیا میں قدم رکھا۔ وہ تاریکی میں بھٹکتا ہوا نہیں آیا۔ انسان کی فکری بلندی کو اس طرح سمجھ لیجئے کہ جب انسان اس دنیا میں اپنی زندگی کا آغاز کرتا ہے تو وہ تمام علوم سے آراستہ ہوتا ہے۔ یہ انسان کی فضیلت کی دلیل ہے کہ اس کو علم براہ راست اللہ تعالیٰ سے مل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ معلّم اور پہلا انسان طالبعلم ہے۔ خالق کائنات کی طرف سے براہ راست اس کو علم منتقل ہو رہا ہے۔ یہ علم جو آدم علیہ السّلام کو خلافت ارضی کی ذمہ داریوں کے ساتھ دیا گیا وہ کونسا علم تھا؟ وہ علم جس کا تعلق ایمانیات سے ہے تو وہ سب سے مقدم ہے۔ اس لئے کہ ایمان تو اپنے خالق و مالک کی حقیقی پہچان کا نام ہے اس کے بغیر تو ہم فلاح وسعادت کی جانب قدم نہیں بڑھا سکتے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان، اس کا ذکر، تسبیح اور عبادت وغیرہ کا علم تو حضرت آدمؑ کو جنت میں

Marfat.com

رہتے ہوئے حاصل ہو چکا تھا۔ اب منصب خلافت پر فائز کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے وہ علم عطا فرمایا جو دنیا میں نظام زندگی گزارنے کے لئے ضروری تھا۔ یہ علم ایمانیات سے ہٹ کر تھا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

علم الاسماء کی تعلیم اور خلافت ارض:

"وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا" (3)

"اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو علم الاسماء پورا کا پورا عطا فرمایا"۔

یہ تعلیم علم الاسماء کا مضمون خلافت انسانی کے سیاق وسباق میں آ رہا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السّلام کو دنیا میں خلیفہ بنا کر بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو انہیں وہ علم عطا فرمایا جس کی بنا پر وہ دنیا میں خلافت کا نظام قائم کر سکیں۔ ہم نے تو اس علم کو اپنے علوم کی فہرست میں سے نکال دیا، مگر اللہ نے اس علم کو انسان کے لئے ضروری سمجھا۔ ہمارے سارے متقدمین اہل علم خصوصاً مفسّرین حضرات یہی بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کی حقیقت بتا دی۔ سب اشیاء کے خواص اور خصوصیات کا علم عطا فرمایا، زراعت اور صنعت وحرفت کا علم عطا فرمایا۔

یہ وہ علوم ہیں جن کا سب مفسّرین ذکر کرتے ہیں، طبری، بیضاوی، قرطبی، آلوسی وغیرہ مفسّرین صراحتاً لکھتے ہیں کہ صنعت وحرفت، زراعت اور طب کا علم بھی دیا گیا تھا۔ طب تو خود بخود وجود میں آ جاتی ہے کہ جب سب چیزوں کے خواص اللہ تعالیٰ نے بتا دیئے تو علم الخواص کی بنیاد پر بیماری کو دور کرنے والی اشیاء بھی ان کو معلوم ہو گئیں۔ تمام صنعت وحرفت تجارت زراعت اور بعض مفسّرین نے یہاں تک لکھا کہ کچھ آلات سازی کا علم بھی دیا گیا تھا۔ اگر ہم اس کی وضاحت اس طرح کریں کہ ہر قسم

Marfat.com

کے فنی اور سائنسی علوم آدم کو عطا کر دیئے گئے تھے تاکہ آدم دنیا میں نظام خلافت کو چلا سکیں تو یہ درست ہو گا، کیونکہ انسانی معاشرہ کے ارتقاء کے لئے معاشرتی، معاشی، انتظامی و صنعتی ہر قسم کے علم کی ضرورت تھی، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تمام ضروری علم عطا کر کے انسان کو دنیا میں بھیجا۔

اس بحث کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ خلافت کا نظام ان علوم کے بغیر ناممکن ہے۔ مگر ہم نے بہت بڑی غلطی یہ کی کہ ان علوم کو لادینیت قرار دے کر شجر ممنوعہ قرار دے دیا۔ یہ تو وہ علوم ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسان کو بطور انعام ملے تاکہ انسان دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین کو صحیح طور پر نافذ کر سکے۔ جب خود اللہ تعالیٰ نے ان علوم کو ضروری سمجھا تو امت کیسے ان کو غیر ضروری کہہ سکتی ہے! پھر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ اور انسان کا امتحان بھی لیا۔ ایک طرف ملائکہ تھے جن کے پاس ایمانیات، عبادات، تسبیح و تقدیس کا علم تھا، دوسری طرف آدم تھے جن کے پاس ایمانیات کے علم کے ساتھ ساتھ فنی، سائنسی اور تمدنی علوم بھی تھے۔ ٹیسٹ میں ملائکہ ناکام ہوئے اور آدم کامیاب ہوئے۔ وہ ان علوم کی بناء پر کامیاب ہوئے جو نظام خلافت کے لئے ضروری تھے۔ ملائکہ نے تو ان علوم کے بارے میں کہہ دیا کہ "لَا عِلْمَ لَنَآ" (4) "اے اللہ ان چیزوں کا تو ہمیں کوئی علم نہیں"، توحید، آخرت اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس تو ملائکہ سے بہتر کوئی نہیں جانتا تھا، مگر وہ ان علوم سے ناواقف تھے جو خلافت ارضی کے لئے ضروری تھے۔

علم الٰہی کی وسعت و جامعیت:

اللہ تعالیٰ کی عبادت، عرش الٰہی کا طواف جس جذبے سے ملائکہ کرتے ہیں، عام انسان تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اس لئے کہ ان کا ایمانی مشاہدہ حق پر مبنی تھا مگر

Marfat.com

ملائکہ کے پاس نظام خلافت چلانے والا علم نہ تھا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو اس مقصد کے لئے پیدا نہیں کیا تھا۔

اللہ نے فرمایا کہ میں ہر چیز کا خالق ہوں میرا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ وہ علیم وخبیر ہے، علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ کیا کسی علم کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا علم اللہ کو نہیں ہے؟ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ طبعیات، کیمیا یا طب کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس نہیں ہے؟ علم کی ہر شاخ اور ہر شعبہ اللہ تعالیٰ کی صفت علم کا مظہر ہے۔ لہٰذا علم کے کسی بھی شعبہ کو لادینیت نہیں قرار دیا جا سکتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کو حاصل کرنا اللہ کی صفت کے پرتو کو حاصل کرنا ہے۔ ہم جس شعبہ علم کی گہرائی میں جا کر اس کی حقیقت کو سمجھیں گے تو وہ علم ہمیں ذات علیم وخبیر سے ملا دے گا۔

عصری علوم کے کسی بھی ماہر سے پوچھیں، خواہ وہ علم کیمیا کا ماہر ہو، طبیعیات کا، جغرافیہ کا ماہر ہو یا علم طب کا، وہ جب اس علم کی گہرائی میں جائے گا تو اسے معلوم ہو گا کہ سب علوم کی بنیادیں آپس میں ملی ہوئی ہیں۔ مگر ایک بہت بڑی ٹریجڈی ہوئی، وہ یہ کہ جب برصغیر میں استعماری قوتوں کا عمل دخل شروع ہوا تو وہ سب علوم جن کا ربط علیم وخبیر کی ذات سے تھا وہ تعلّق استعماری دور میں ختم کر دیا گیا۔ آج جو علم طبعیات پڑھائی جاتی ہے اس کا علیم وخبیر سے کوئی تعلّق نہیں۔ اسی طرح جتنے بھی دیگر علوم ہیں جدید دور میں ان کا ربط عالم الغیب سے ختم کر دیا گیا۔ یہ کام علماء اور مدارس کا تھا کہ وہ اٹھتے اور ان علوم کا ربط پھر سے علیم سے جوڑتے، اور ان تمام علوم کی تدریس کا سلسلہ مدارس میں بحال کرتے۔

اگر انسان کی علمی وفکری زندگی کا ارتقاء اللہ تعالیٰ کی ذات کے تعلّق سے ہو تو انسان کی سوچ اور ذہنیت میں بھی وسعت پیدا ہو گی۔ تنگ نظری اور سطحیت ختم ہو جاتی ہے۔ ہمیں تو اپنے ذہنوں میں خالق ارض وسماء کی وسعت کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

Marfat.com

"وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض" (5)

"اس کی کرسی آسمان وزمین پر وسیع ہے"۔

علم الٰہی کی وسعت کے تصور سے مسلمان کے ذہن اور فکر میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ انسان کے فکری ارتقاء کا عمل بغیر کسی رکاوٹ جاری رہنا چاہئے۔ انبیاء علیہم السّلام بھی وقتاً فوقتاً دنیا میں آتے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں مختلف علوم وفنون سے آراستہ فرماتے رہے۔ مثال کے طور پر حضرت نوحؑ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ:

سفینہ سازی کا علم حضرت نوحؑ کو عطا کیا گیا:

"وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا" (6)

"پانی کا جہاز ہماری نگرانی میں اور ہمارے علم کے مطابق تیار کیجئے"۔

اب حضرت نوح علیہ السّلام کی نگرانی میں جو وسیع وعریض جہاز تیار ہوگا وہ مکمّل طور پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے منتقل کردہ علم کے مطابق تیار ہوگا، یعنی جہاز سازی کی صنعت کا سارا علم وفن اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوگا۔ اس کی نگرانی بھی اللہ کی جانب سے ہو گی۔ اس طرح یہ مکمّل Transfer of knowledge & technology اللہ کی طرف سے ہوئی جسے بہت سے لوگوں نے حضرت نوح علیہ السّلام کی نگرانی میں سیکھا۔ اس طرح فن سفینہ سازی کا علم وفن بہت سے ان لوگوں کو منتقل ہوا جو حضرت نوح علیہ السّلام کے ساتھ اس کام میں شریک ہوئے۔ اس جہاز کی تعمیر میں ایک طویل عرصہ لگا۔ بعض لوگوں نے دس سال کا عرصہ بتایا ہے۔ اللہ کی قدرت تو یہ ہے کہ وہ محض "کُنْ" (7) کہہ کر کسی بھی چیز کو وجود بخش دے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا، اس لئے کہ وہ حضرت نوح علیہ السّلام پر ایمان لانے والوں کو یہ ٹیکنالوجی سکھانا چاہتا تھا۔ دس سال کے عرصہ

Marfat.com

میں اس فن کو بہت سے لوگوں نے اچھی طرح سیکھ لیا ہوگا اور انہوں نے طوفان نوح کے بعد بھی اس صنعت کو بحری سفر اور تجارت کے لئے استعمال کیا ہوگا۔ جب جہاز مکمّل بن گیا تو حکم دیا گیا کہ اب اس میں سوار ہو جاؤ۔ کم و بیش 80 لوگ سوار ہوئے اور ان کے اہل و عیال بھی جو ایمان لائے تھے۔ ان میں کچھ چھوٹے بچے جو والدین کے تابع ہوتے ہیں وہ بھی ان میں شامل ہوں گے۔ پھر حکم دیا گیا کہ ہر جانور کا ایک ایک جوڑا بھی اس میں سوار کیا جائے۔ اس میں بڑے جانور بھی ہوں گے اور چھوٹے بھی۔ یقینی بات ہے کہ انسانوں کا حصہ الگ ہوگا۔ جانوروں کا الگ اور چھوٹے پرندوں وغیرہ کا الگ۔ ہمارے مفسّرین نے لکھا کہ وہ جہاز تین منزلہ تھا۔ گویا انسان، جانور اور پرندوں کے لئے لگ الگ منزل بنائی گئی تھی۔ سفینۂ نوح کا جو ڈھانچہ دریافت ہوا ہے، اس کی تصاویر سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ تین منزلہ جہاز تھا، اور یہ جہاز کتنا بڑا تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ وہ سب کے سب انسان، جانور، پرندے اس میں قیام پذیر تھے۔ پھر اس میں رہنے والوں کو غذا کی بھی ضرورت تھی تو وہ بھی اس میں سٹور کی گئی ہو گی۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ وہ جہاز کتنا بڑا ہوگا اور جو ٹیکنالوجی اللہ تعالیٰ نے دی وہ کتنی پرفیکٹ تھی کہ جہاز ہفتوں طوفانی بارش، سیلاب اور بلند موجوں کا مقابلہ کرتا رہا اور طوفان باد و باراں کے تمام عرصہ میں پورے اعتدال اور توازن کے ساتھ خود بھی محفوظ رہا اور اپنے تمام سواروں کو بھی محفوظ رکھا۔

جب سیلاب آیا تو پانی کئی اطراف سے ابل پڑا۔ صورتحال یہ تھی کہ پانی زمین سے بھی ابل رہا تھا اور آسمان سے بھی برس رہا تھا۔ پھر اس میں طوفانی موجیں بھی ایسی تھیں جنہیں قرآن حکیم نے ''وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ'' (8) ''یعنی پہاڑوں کی بلند چوٹیوں کو چھوتی ہوئی موجیں کہہ کر بیان کیا ہے''۔

Marfat.com

آج کی جدید ٹیکنالوجی اور سائنسی ترقی کے باوجود سائنس دان ایسا جہاز نہیں بنا سکے جو ایسی طوفانی موجوں کا مقابلہ کر کے صحیح سالم نکل آئے۔ آج جہازوں کو پہلے ہی ہدایات دے دی جاتی ہیں کہ وہ سمندر میں پیدا ہونے والے طوفان کے مقام سے نکل آئے۔ طوفان کی صورت میں جہاز کے عملہ کو ہدایت کر دی جاتی ہے کہ وہ اس علاقہ سے باہر نکل آئے جہاں طوفان کی آمد کا خدشہ ہے اگر جہاز وہاں سے قبل از وقت نہ نکل سکا تو وہ وہاں ڈوب جائے گا۔ مگر صانع حقیقی کے علم کے مطابق تیار کردہ جہاز نہ ڈوبتا ہے نہ ٹوٹتا ہے نہ اس کے اندر پانی داخل ہوتا ہے۔ یہ ٹیکنالوجی اللہ تعالیٰ نے اس لئے دی تھی کہ اس کو انسان مزید آگے بڑھائے۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی علم ایسا نہیں چھوڑا جو انسان کی معاشی معاشرتی انتظامی یا سیاسی ضروریات کے لئے ضروری ہو اور اس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی نہ دی ہو۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ ان علوم سے کس قدر فائدہ اٹھاتا ہے، ان کی تعلیم و تربیت کا کتنا اہتمام کرتا ہے۔ بہت سے انبیاء علیہم السّلام ایسے گزرے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے مختلف علوم و فنون میں مہارت عطا فرمائی مثلاً:

حضرت داؤدؑ کو فولاد سازی اور دفاعی صنعت کا علم دیا گیا:

حضرت داؤد علیہ السّلام کے بارے میں قرآن حکیم کہتا ہے:

"وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ" (9)

"ہم نے انہیں جنگی لباس بنانے کا علم سکھایا"۔

یہ ایک دفاعی ٹیکنالوجی تھی۔ اسی طرح فولادی مصنوعات کا علم بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ اسلام کو عطا فرمایا۔ حضرت داؤد علیہ السّلام فولادی مصنوعات کے کارخانہ کے بانی ہیں۔

Marfat.com

علم جب اللہ کی طرف سے آتا ہے تو وہ ہر طرح کامل (پرفیکٹ) ہوتا ہے۔ اس زمانے کی معاشرتی دفاعی ضرورت کے تحت انہوں نے جو زرہ تیار کی وہ اتنی پرفیکٹ تھی کہ اس کو پہن کر نقل و حرکت میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی تھی۔ اس سے پہلے بھی زرہیں بنتی تھیں مگر ان سب میں یہ بڑا نقص تھا کہ ان کو پہن کر آسانی سے نقل و حرکت (Movement) نہیں ہوتی تھی اس کے علاوہ انہوں نے بہت پرفیکٹ خود (Helmet) اور زرہیں وغیرہ بنائیں۔ یہ ''لِتُحصِنَکُم مِّن بَاْسِکُم'' ''تاکہ تمہیں دشمن کے حملوں سے محفوظ رکھے'' کی عملی تفسیر ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''فَهَلْ اَنْتُمْ شَاكِرُوْنَ'' (10)

''تو پھر کیا تم شکر بجالانے والے ہو؟''

اس اہم دفاعی نعمت پر اللہ تعالیٰ مطالبہ کر رہے ہیں کہ اس کی شکر گزاری کرو۔ کسی علم و فن کی شکر گزاری کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس علم و فن میں مزید کمال حاصل کیا جائے۔

فلسفہ و حکمت کا علم حضرت ادریسؑ کو عطا کیا گیا:

حضرت ادریس علیہ السّلام کے بارے میں آتا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے فلسفہ و حکمت میں مہارت عطا کی تھی۔ یہ علوم فلسفہ و حکمت انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا کئے تھے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ باقاعدہ لوگوں کو شہری علوم کی تعلیم دیتے تھے اور بتاتے تھے کہ شہریت کے بہترین اصول کیا ہیں؟ حضرت ادریس علیہ السّلام فلسفے کے ماہر بھی تھے، وہ لوگوں کو سیاست کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ انبیاء علیہم السّلام کی تعلیمات میں علم سیاست انسانی فکر کی تطہیر اخلاقی رویہ کی اصلاح اور پاکیزہ تہذیب و تمدن کو فروغ دینے کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم تمام علماء نے علم سیاست کو علم الاخلاق کا حصہ قرار دیا ہے۔

Marfat.com

کہا جاتا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السّلام نے یونان کے ایک بڑے فلسفی اغوثا زیغون سے علم فلسفہ سیکھا۔

اغوثا زیغون کے بارے میں علامہ شہرستانی کہتے ہیں کہ یہ حضرت شیث علیہ السّلام تھے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک نبی نے دوسرے نبی سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی تھی، اگر یہ علم اللہ تعالیٰ کی جانب سے انبیاء علیہم السّلام کو عطا ہوا ہے تو آج ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ فلسفہ کی تعلیم لادینیت ہے۔اگر ہم ان عقلی علوم سے دور ہو گئے تو ہم دنیا میں معاشرتی نظم ونسق اور نظام خلافت سے بھی دور ہو جائیں گے اور جہالت کی تاریکیوں میں ایک مجبور ومقہور اور دھتکاری ہوئی قوم کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم تمام جدید اور عقلی علوم کا وحی الٰہی کی روشنی میں جائزہ لیں اور تمام علوم کی تعلیم اسلامی فکر کے مطابق اس طرح دیں کہ ہر شعبہ کا رابطہ اور تعلّق اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ رہے کہ اسی کی ذات تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔

آج ہماری کم علمی کا حال یہ ہے کہ مغرب جو دعویٰ کرے ہم اسے درست تسلیم کر لیتے ہیں، اس لئے کہ ہمارے پاس ان کے دعوے کی تردید کی نہ کوئی سائنسی بنیاد ہوتی ہے نہ ہی رد کرنے کے لئے مضبوط اور مؤثر ذرائع ابلاغ، ہم چونکہ خود علمی اور سائنسی تحقیق، صنعتی اور حرفتی ایجادات میں پس ماندہ ہیں اس لئے ہم مغرب کے ترقی یافتہ ممالک کے نہ صرف محتاج بن کر رہ گئے بلکہ ان کی طرف سے آنے والی ہر بات مستند ٹھہرتی ہے۔ ہمارے قائدین اور ارباب حل وعقد کو یہ بات تسلیم کر لینا چاہئے کہ علم کی روشنی کے بغیر نہ فکری ارتقاء ممکن ہے نہ معاشی، صنعتی اور دفاعی استحکام پیدا ہو سکتا ہے۔ ہمیں اور ہماری آنے والی نسلوں کو اس علم کی ضرورت ہے جو ایک طرف ہمارا ربط وتعلّق

Marfat.com

اپنے خالق و مالک سے قائم کرے دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رہنمائی اور ہدایت کی روشنی میں اعلیٰ، مہذب اور پرسکون معاشرہ کی تنظیم کرسکیں۔ علم وفکر میں وسعت پیدا کرنے کا ایک ذریعہ زبانوں پر عبور حاصل کرنا بھی ہے۔

مختلف زبانوں کا علم علمی وسعت کے لئے ضروری ہے:

بہت سے انبیاء ایسے گزرے ہیں جن کو اللہ نے مختلف زبانیں سکھائیں۔ بعض انبیاء کے بارے میں آتا ہے کہ دس دس، بارہ بارہ زبانیں جانتے تھے۔ آج ہم زبانوں کے مسئلہ پر لڑتے ہیں۔ حالانکہ زبان تو اظہار مافی الضمیر کا ذریعہ ہے۔ زبان کو پڑھنا اور اہل زبان کی اقدار کو اپنانا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کی زبانوں کا علم حاصل کرنا کوئی معیوب بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں صرف انسان کی زبان ہی نہیں بلکہ دیگر مخلوقات کی زبانوں کے علم کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔

"عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ" (11)

"ہمیں پرندوں کی زبان سکھائی گئی ہے"۔

اللہ نے حضرت سلیمانؑ کے بارے میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پرندوں کی زبان سکھائی تھی۔ یہ بات بتا کر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کیا ہے کہ دیگر مخلوقات کی صلاحیتوں اور ان کی معلومات سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جانوروں اور دیگر مخلوقات کو بعض مخصوص صلاحیتیں عطا کی ہوئی ہیں۔ مثلاً کسی کو زبردست بینائی عطا کی ہے تو کسی کو زبردست قوت مشاہدہ عطا کی ہے۔ بعض جانوروں میں سونگھنے کی بے پناہ صلاحیت ہوتی ہے۔

آج بھی جن چیزوں کو مشینیں نہیں پہچان سکتیں ان کو کتا سونگھ کر پہچان لیتا ہے،

Marfat.com

چاہے وہ چیز کسی کے پیٹ میں ہی کیوں نہ ہو۔ آج تو دنیا جانوروں سے جاسوسی کا کام لے رہی ہے۔ کیونکہ جانوروں پر جغرافیائی پابندیاں نہیں ہیں۔ انسان کے لئے حدود متعیّن ہیں جانور کے لئے نہیں، "منطق الطیر" کا علم اللہ نے حضرت سلیمانؑ کو دیا۔ انہوں نے اس نعمت سے خوب فائدہ اٹھایا، ہمیں بھی اس نعمت سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے

علم الافلاک ایک مفید علم ہے:

علم افلاک بڑا اہم علم ہے۔ "وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ" (12) کہ اللہ نے اس کائنات میں بے شمار نشانیاں بنا دی ہیں اور لوگ ستاروں سے بھی رہنمائی حاصل کرتے ہیں، اوقات کے تعین، سمتوں کی پہچان وغیرہ میں علم الافلاک ایک مفید علم ہے۔ اس میں مہارت اور تحقیق کی ضرورت سے کسی دور میں بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مختلف ستاروں میں اللہ تعالیٰ نے کچھ اثرات رکھے ہیں۔ یہ اثرات ہمارے ماحول، ہماری فصلوں بلکہ طبیعتوں پر بھی پڑتے ہیں۔ ان سے بہتر طریقہ پر فائدہ اٹھانے کے لئے علم کی ضرورت ہے۔ علم النجوم (وہ علم مراد نہیں جس میں مستقبل یا غیب کے حالات جاننے کا دعویٰ کیا جاتا ہے) بھی ایک اہم علم ہے۔ اس کی طرف راہنمائی کی گئی ہے کہ سیاروں کی گردش کا علم، افلاک میں ان کے مختلف مقامات وغیرہ کو جاننے کی ضرورت ہے، کہ انسان ان سے فائدہ اٹھائے۔ یہ سب قرآن حکیم اور انبیاء علیہم السّلام کی تعلیمات میں ملے گا۔

فن تعمیر اور ڈیم کی صنعت:

اگر آپ غور کریں تو آپ کو مختلف علاقوں میں مختلف طرز کا فن تعمیر نظر آئے

Marfat.com

گا۔فن تعمیر بھی اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ علم ہے۔ ملکہ سبا کے زمانے میں یمن میں مختلف ڈیم بنائے جاتے تھے جن کی وجہ سے وہاں بہت خوشحالی تھی۔ زراعت اور آب پاشی کے لئے وافر مقدار میں پانی ذخیرہ کرلیا جاتا تھا۔

گذشتہ دنوں ہمارے ملک میں بڑے پیمانہ پر سیلاب آیا۔ پورے ملک میں یہ سیلاب تباہی پھیلاتا ہوا بالآخر سمندر میں جا گرا۔ یہ اربوں ڈالر کا قیمتی پانی تھا۔ ہم نے استعمال کرنے کے بجائے اسے سمندر میں بہا دیا۔ اگر ہم اس پانی کو ذخیرہ کر کے استعمال کرتے تو آج تھر کی بھیانک قحط سالی ختم ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ تو ہم سے پوچھے گا میں نے تو وافر مقدار میں پانی دیا تھا تم نے اپنی نااہلی سے اسے ضائع کردیا۔ ملکہ سبا کے زمانے میں یمن میں ڈیم تھے، خوبصورت عمارتیں تھیں۔ ایک عمارت کا تذکرہ یمن کی قدیم تاریخ میں ملتا ہے جو بیس منزلہ تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی تو اس زمانے میں بھی تھی کہ وہ بیس تیس منزلہ عمارتیں اور مضبوط قسم کے ڈیم بنانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ پھر ملکہ سبا جب حضرت سلیمان علیہ السّلام سے ملنے آتی ہے تو حضرت سلیمان علیہ السّلام ایک ایسی عمارت بناتے ہیں جس کی لطافت اور فن جمال پر ملکہ سبا بھی حیران ہو جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام کا فن تعمیر ملکہ سبا کے فن تعمیر سے بہتر تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام کے پاس فن تعمیر کا علم کہاں سے آیا؟ یہ علم انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کیا گیا تھا۔

تعبیر الرؤیا اور تشریح وتعبیر کا علم:

علم ''تعبیر الرؤیا'' اور علم ''تأویل الحدیث'' بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انبیاء علیہم السّلام کو دیا گیا۔ بعض علماء نے ان دونوں الفاظ کو ایک معنے میں استعمال کیا مگر

Marfat.com

قرآن حکیم نے دو الگ الگ اصطلاحات کو ذکر کیا ہے۔ تعبیر الرؤیا کا علم اللہ نے خاص طور پر حضرت یوسف علیہ السّلام کو دیا، ان کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں کو یہ علم دیا گیا۔ تعبیر الرؤیا ایک فن ہے اور اس علم کو سمجھنے کے لئے اور بھی کئی علوم کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک فن ''تأویل الحدیث'' ہے۔ Interpertation of taxt (constitution, law etc) آج بھی ہمارے ہاں تعبیر و تشریح کے اصول اور دلالات کی بحث علم فقہ اور اصول فقہ میں پڑھائی جاتی ہے۔ ''دلالة النص'' سے کس درجے کا حکم ثابت ہوتا ہے؟ اسی طرح ''اقتضاء النص'' سے کس درجے کا حکم ثابت ہوگا وغیرہ۔ آج دستور کی تعبیر و تشریح کے لئے بھی ماہرین کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کی رائے کو وزن بھی دیا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السّلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ مہارت دی تھی، آج ہمیں بھی متون کی تعبیر و تشریح اور ان سے استدلال و استنباط کی صلاحیت کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔

خزائن الارض کا علم:

بعض انبیاء کو اللہ نے ''خزائن الارض'' کا علم دیا۔ اس میں صرف معدنیات اور زیر زمین پائے جانے والے خزانے ہی نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود بتایا ہے کہ میں نے اس زمین کو تمہارے لئے پیدا کیا اور اس میں تمہاری معاش کا سارا سامان رکھ دیا۔ اب ان خزانوں کی تلاش کا کام کون کرے؟ کیا اللہ خود آ کر ہمیں زیر زمین خزانے نکال کر دے؟ ایسا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کو جو کام کرنا تھا وہ اس نے کر دیا۔ اب ان خزانوں کو دریافت کرنا ان سے فائدہ اٹھانا اور انہیں انسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کرنا ہمارا کام ہے۔ اس کام کو بہتر طور پر انجام دینے کے لئے علم خزائن میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے۔

Marfat.com

ہماری شریعت کا آغاز اقراء سے ہوتا ہے:

اگر ہم عہد رسالت کی طرف آئیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فکری ارتقاء کے لئے علوم کی طرف متوجہ کرنے کا سلسلہ پورے عزم کے ساتھ جاری ہونے کا آغاز اقراء سے ہوا، اللہ تعالیٰ نے وحی کا آغاز عبادات یا ایمان سے نہیں کیا بلکہ اقراء یعنی حصول علم کے حکم سے کیا۔

"اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ o اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ o الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ o عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ o" (13)

"پڑھئے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے تمہیں پیدا کیا، انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھئے اور آپ ﷺ کا رب بہت کرم والا ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم کی روشنی پھیلائی، اور انسان کو وہ علم عطا کیا جو وہ نہیں جانتا تھا"۔

ان پانچ آیات میں قرأت، کتاب، تعلیم، تعلم اور غور وفکر، بحث وتحقیق سب کچھ آ گیا ہے۔ گویا پہلی وحی نے یہ طے کر دیا کہ اب اس وحی پر ایمان لانے والی جو امت ابھرے گی وہ علم کی روشنی ساری دنیا میں پھیلائے گی۔ ہر شعبہ علم میں کمال حاصل کرے گی۔ علم کا حصول اس امت کے لئے نہ صرف عبادت ہے بلکہ ایمان وعبادت کی حقیقت تک وہ علم ہی کے راستہ سے پہنچے گی۔ غور فرمائیے کہ دور جاہلیت میں انسان کو پہلا نعرہ (slogan) یہ مل رہا ہے کہ پڑھنا ہے، اقراء امر کا صیغہ ہے یعنی پڑھائی کا حکم دیا گیا ہے۔ حصول علم فرض ہے، حصول علم آخر کس پر فرض ہے۔ کیا صرف مولوی حضرات

Marfat.com

کے لئے حصول علم فرض ہے؟ نہیں! کیا امت کا کوئی خاص طبقہ ہے جس پر علم حاصل کرنا فرض کیا گیا ہو، ایسا بھی نہیں۔ حصول علم تو امت مسلمہ کے ہر فرد پر فرض ہے۔ بلکہ ہر وقت ہر لمحے ہر ایک کو علمی جدوجہد میں مصروف رہنا ضروری ہے۔ اس فریضہ سے انسان ہٹ نہیں سکتا۔ مہد سے لحد تک علم میں مصروف رہنا، نئے نئے علوم دریافت کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا اور دوسرے انسانوں کو فائدہ پہنچانا، یہ سلسلہ بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رہنا چاہئے۔

''اِقْـرَاْ بِـاسْـمِ رَبِّـکَ'' میں مفعول محذوف ہے۔ عربی کا قاعدہ ہے کہ مفعول جب معروف و معلوم ہو تو اسے حذف کر دیا جاتا ہے، وہ محذوف ''الکتاب'' ہے۔ لہٰذا پہلی وحی میں کتاب تو شامل ہے ہی (ہم نے تو یہ تصور کر لیا کہ الکتاب یعنی قرآن حکیم مولوی حضرات کے لئے نازل ہوا ہے۔ قرآن حکیم پڑھنا انہی کا فرض ہے)۔ یعنی الکتاب کو تو پڑھنا ہی ہے، مگر پڑھائی کو الکتاب تک محدود نہیں رکھا۔ قرآن حکیم کو اگر شروع سے آخر تک پڑھیں تو الکتاب کے ساتھ قرآن کریم نے الکون کے مطالعے پر بھی خوب توجہ دلائی ہے۔ فکری ارتقاء تب ہوگا کہ جب اللہ کی کتاب پر توجہ ہو تو اس کے ساتھ اس کائنات پر بھی توجہ ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ الکتاب ہمیں بار بار توجہ دلاتی ہے کہ ہم زمین و آسمان، چاند، سورج، پہاڑ، سمندر، دریا غرض کائنات کی ہر چیز میں غور و فکر کریں۔ تمام موجودات عالم کا مطالعہ اس میں شامل ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کائنات کا مطالعہ کیوں کیا جائے۔ یقیناً اس کا کوئی مقصد بھی ہو گا، پھر ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ شمس و قمر اور کائنات تمہارے لئے مسخر کر دیئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تو ان عظیم الشان اشیاء کو ہمارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ اس کا

Marfat.com

مطلب یہ ہے کہ انسان ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اب ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں تو ہم اس تسخیر کائنات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ لوڈ شیڈنگ ہے تو روشنی کے اور بھی ذرائع ہو سکتے ہیں۔ ہمیں اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نعمتوں اور قوتوں سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اس کا طریقہ علم و تحقیق، تجربات و دریافت ہی ہو سکتا ہے۔ یہ کام محنت طلب ہے، جدو جہد تو ہمیں ہی کرنی ہوگی۔ مگر ہم دوسروں کے انتظار میں ہیں کہ یہ تحقیق و دریافت کا کام وہ کریں، سستی و کاہلی ہماری زندگی کا حصہ بن گئی ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس صورتحال سے پناہ مانگی ہے۔

ہمیں قرآن حکیم کا یہ سبق یاد رکھنا چاہئے کہ اقراء کے ساتھ الکتاب بھی ہے اور الکون بھی۔ پہلی وحی میں اقراء کا لفظ دو بار آیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں مبالغہ ہے۔ پڑھئے اور زیادہ سے زیادہ (maximum) توجہ کے ساتھ پڑھئے جتنا کہ آپ پڑھ سکتے ہیں۔ پڑھنا، بین السطور کو سمجھنا، ذہن و فکر کو استعمال کر کے نئے افکار تخلیق کرنا، یہ سب صلاحیتیں قرآن حکیم ہمارے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے۔ کیا قرآن حکیم پڑھنے والوں کا یہ فرض نہیں کہ وہ ان تمام صلاحیتوں کو اپنے اندر اجاگر کریں۔

اقراء کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے باسم ربک کو ملا کر بیان کیا ہے، کہ پڑھئے تو سہی مگر اپنے رب کے نام کے ساتھ کیونکہ اس راہ میں بڑی گھاٹیاں اور دشواریاں بھی آئیں گی، شیطانی وسوسہ بھی آئیں گے، لہٰذا آپ جب رب کو یاد رکھتے ہوئے پڑھیں گے تو ان گھاٹیوں سے گزرنا آسان ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آغاز کرنے اور اس کی استعانت و مدد کی اس وجہ سے بھی ضرورت ہے کہ علم کے ساتھ علو بھی آتا ہے۔ لہٰذا اس کے علاج کی بھی ضرورت ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے رب کو یاد کرے

Marfat.com

اور اس سے تعلق مضبوط رکھئے، ساتھ ہی یہ بھی یاد دلا دیا کہ اپنی حقیقت کو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ''ماء مھین'' سے پیدا کیا۔ جب تم اپنی تخلیق کی حقیقت پر غور کرو گے تو تم میں علو وتکبّر پیدا نہیں ہوگا۔ کیونکہ تکبّر حصول علم کی راہ میں رکاوٹ ہوتا ہے۔ جب انسان خود کو علامہ سمجھ لے تو پھر اس پر علم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ کبر ہرگز نہیں آنا چاہئے۔ پھر اقراء کا لفظ دوبارہ تائید ومبالغہ کے لئے لایا گیا ہے۔ ''اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ o'' (14) یہ بتانا مقصود ہے کہ پڑھائی کی کوئی انتہا نہیں، جس قدر زیادہ پڑھ سکتے ہو پڑھو۔

لیکن یہ یاد رکھئے کہ علوم کی تہ تک پہنچنے کے لئے صرف قراءت کافی نہیں بلکہ اس میں تعلیم وتربیت شامل ہے۔ اس کے لئے انگریزی میں education کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس میں تعلیم کے ساتھ تربیت کا عنصر شامل ہے۔ لہٰذا اس کے لئے ادارے بھی قائم کرنا ہوں گے اور اس کے ساتھ ساتھ ان اداروں کی فکری وعلمی بلندی کے لئے قابل اساتذہ، تجربہ گاہیں، تربیتی مراکز بھی قائم کرنا ہوں گے تاکہ تعلیم وتربیت اور بحث وتحقیق کا اعلیٰ درجہ کا کام انجام دیا جا سکے۔ پھر ''علم الإنسان مالم یعلم'' فرمایا یہ پہلی وحی کی آخری آیت ہے، اس آیت میں بحث (research) و دریافت (discovery) کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی انسان کے پاس جو علم ہے اس کے ذریعہ نامعلوم تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ تحقیق کا عمل مسلمان کا فریضہ ہے۔ اس کی طرف رسول ﷺ نے توجہ دلائی۔ پھر اس جذبے کے عملی اظہار کا ثبوت یہ ہے کہ اس پہلی وحی کے بعد جب رسول ﷺ کا 10 ہجری میں انتقال ہوتا ہے تو ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اس وقت مسلمان علم وعمل کے میدان میں کہاں پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے اس پر کتنا عمل کیا۔

Marfat.com

تعمیر شخصیت کے لئے کردار سازی:

خلافت ارضی کے قیام کے لئے اللہ نے حضرت آدمؑ کو وہ سب علوم سکھا دیئے تھے جو خلافت کے لئے ضروری تھے۔ مدینہ میں بھی علم کی تحصیل کے لئے تحریک شروع ہوئی اور اس سے ترقی کا عمل شروع ہوا۔ رسول ﷺ نے صرف فکری و علمی ارتقاء (Intelectual Development) کی طرف توجہ نہیں دی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ شخصیت کی تعمیر کا کام بھی ضروری سمجھا۔ ''یَتْلُوا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ'' (15) اس طرح تعمیر و تزکیہ کا عمل شروع ہو گیا۔ اور یہ اتنا ضروری تھا کہ اس کو قرآن و سنت نے ایمان کا لازمی حصہ قرار دے دیا۔ ایمان اور اخلاق کریمہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''لا إیمان لمن لا أمانة له و لا دین لمن لا عهد له'' (16)

''جو امانت دار نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں اور جو عہد شکن ہے اس کا کوئی دین نہیں''۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''لیس المومن الذی یشبع و جاره جائع إلی جنبه'' (17)

اسی طرح آپ ﷺ نے قسم کھا کر کہا کہ اللہ کی قسم وہ شخص تباہ ہو گیا اور آپ ﷺ نے یہ تین بار فرمایا۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کون؟ تو فرمایا کہ وہ شخص جس کے ہاتھ اور زبان سے پڑوسی محفوظ نہ رہے۔ رسول اللہ ﷺ سے مجلس میں سوال کیا گیا کہ کیا کوئی مومن چوری کر سکتا ہے؟ فرمایا کہ ممکن ہے کسی مومن سے ایسا گناہ سرزد ہو

Marfat.com

جائے۔ دریافت کیا گیا کیا کوئی مومن زنا کر سکتا ہے؟ فرمایا کہ ممکن ہے کسی مومن سے ایسے گناہ کا ارتکاب ہو جائے۔ پھر پوچھا گیا کہ کیا کوئی مومن جھوٹ بول سکتا ہے؟ آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، فرمایا لا و اللہ کہ اللہ کی قسم کوئی مومن جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اس اعلیٰ اخلاق و ایمان کے قیام کے لئے رسول ﷺ کام کرتے ہیں، اس عمل کے لئے پہلے باطن کا تزکیہ کرتے ہیں تاکہ انسانوں کو امراض قلبیہ سے نجات دلائی جائے۔ نفرت، حسد، بغض، کینہ و حسد جیسے سارے امراض کو دھو کر رسول علیہ السّلام صاف کر دیتے ہیں اور پھر قلبی صفائی کے بعد ان میں عبادات قلبیہ پیدا کی جاتی ہیں، یعنی اخلاص، تقویٰ، صبر و شکر وغیرہ۔

تعلیم و تزکیہ سے انسان میں مثبت تبدیلی آتی ہے، پھر وہ انسان دوسرے انسانوں کے لئے مفید بن جاتا ہے مضر نہیں رہتا۔ تمام انبیاء انسانیت کی خدمت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ستار العیوب بھی ہے یعنی ستر عیب ایک اہم اخلاقی قدر ہے۔ مگر آج ہمیں کسی کا عیب نظر آ جائے تو اس معمولی عیب کو بہت بڑا بنا دیا جاتا ہے۔

اب تو بگاڑ اس حد تک آ گیا ہے کہ ہم عیوب گھڑ کر کسی کے سر تھوپتے ہیں، اور پھر ذرائع ابلاغ کے ذریعہ ان کی تشہیر کرتے ہیں۔ موبائل فون اور نیٹ کے ذریعہ غلط اور جھوٹی پیغام رسانی عام ہوتی جا رہی ہے، ہمیں احساس تک نہیں ہوتا کہ ہم کتنے بڑے فتنہ اور برائی کا حصہ بنتے جا رہے ہیں۔ پہلی وحی کا سبق تو مہذب اور تعلیم یافتہ انسان بناتا تھا، لیکن آج اس وحی پر ایمان رکھنے والوں اور اس کی تلاوت کرنے والوں کا کیا حال ہو گیا ہے! کیا ہمیں اپنی خامیوں کا محاسبہ نہیں کرنا چاہئے؟ رسول اللہ ﷺ نے امت مسلمہ کی تشکیل جس تعلیم و تربیت اور تزکیہ کے ساتھ فرمائی تھی ہماری اصلاح کا راز بھی اسی میں مضمر ہے۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے تعلیم و تربیت کے ذریعہ ایک بلند مقام پر پہنچا کر روکا نہیں بلکہ مزید فکری وسعت پیدا کرنے کے لئے اجتہادی بصیرت پیدا کرنے پر زور دیتے رہے۔

فکری ارتقاء کے لئے اجتہادی عمل ضروری ہے:

قرآن حکیم کا بھی یہی اسلوب ہے۔ وہ بار بار غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ عقل و فہم تفکّر و تدبر پر اصرار کرتا ہے تا کہ ہماری فکری صلاحیتیں بہتر سے بہتر ہوتی رہیں۔ مثلاً قرآن حکیم کے اس اسلوب پر غور کیجئے کہ وہ بار بار کہتا ہے ''اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ'' (18) ''کیا دیکھتے نہیں، کیوں غور نہیں کرتے''۔ قرآن حکیم بار بار یہ لفظ استعمال کر کے اپنے قاری کو گہری نظر ڈالنے اور خوب فکر پر آمادہ کر رہا ہے۔ قرآن حکیم نے علم کے تین اہم ذرائع کو بہت اہمیت دی ہے، اور انسان سے مطالبہ کیا ہے وہ ان تینوں ذرائع کو حصول علم میں خوب استعمال کرے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

''وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ'' (19)

''اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں سماعت کی قوت، دیکھنے کی صلاحیت اور قلب و عقل عطا فرمائے، تا کہ تم شکر گزار بنو''۔

یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور ان نعمتوں پر ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ شکر گزاری کا تقاضا ہے کہ انسان ان تمام صلاحیتوں کا صحیح صحیح استعمال کرے۔ انسان سن کر بہت کچھ علم حاصل کرتا ہے۔ اپنے مشاہدہ اور بصارت کے ذریعہ بہت سا علم حاصل کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل کی نعمت عطا کی ہے۔ حواس کے ذریعہ جو علم حاصل کرتا ہے اپنی عقل کو استعمال کر کے ان سے صحیح نتائج اخذ کر سکتا ہے۔ اس طرح

Marfat.com

اخذ انتائج سے نئے علمی نکات اور مختلف نئے نئے پہلو سامنے آتے ہیں۔ علمی وفکری ارتقاء کا یہی طریقہ ہے جس پر قرآن حکیم ہمیں گامزن کرنا چاہتا ہے۔ حواس کے ذریعہ سے جو علم ہمیں حاصل ہوتا ہے وہ علم ظنی کہلاتا ہے۔ علم ظنی میں خطاء سے بچنے کے لئے ہمارس پاس علم قطعی بھی موجود ہے۔ علم ظنی سے حاصل کردہ نتائج کا فیصلہ علم قطعی کی روشنی میں کیا جاسکتا ہے۔

فکری ارتقاء کے لئے علم وایمان بہت بنیادی عناصر ہیں اور اصلاح رویہ کے لئے اخلاقی تربیت تزکیہ نفس لازمی عنصر ہیں۔ ان کے بغیر نہ انسان کی شخصیت کی صحیح تعمیر ہوسکتی نہ مثبت انداز میں فکری بلندی اور علمی وسعت پیدا ہوسکتی ہے۔ انبیاء علیہم السّلام ہمیشہ ان بنیادوں پر انسانی شخصیت کی تعمیر کرتے ہیں تا کہ وہ نہ صرف دنیوی زندگی میں اپنے فرائض کامیابی کے ساتھ ادا کرسکے بلکہ آخرت کی ابدی سعادت وکامیابی سے بھی ہمکنار ہوسکے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم رسول کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ کو صحیح معنوں میں سمجھ سکیں اور سیرت میں دئے گئے رہنما اصولوں کے مطابق اپنی تربیت کر سکیں۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اگر صحیح فکر کی ادائیگی میں مجھ سے کوتاہی ہوئی تو مجھے معاف فرمائے اور اگر کوئی کوتاہی آپ کے علم میں آئی ہو یا، آپ کے خیال میں کوئی غلط بات سرزد ہوئی ہو تو مجھے مطلع فرمائیں، میں آپ حضرات کا شکرگزار ہوں گا۔

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ

Marfat.com

حوالہ جات

1۔ القرآن، الم نشرح: 4

2۔ القرآن، القلم: 4

3۔ القرآن، البقرہ: 31

4۔ القرآن، البقرہ: 32

5۔ القرآن، البقرہ: 255

6۔ القرآن، ھود: 37

7۔ القرآن، النحل: 40

8۔ القرآن، ھود: 42

9۔ القرآن، الانبیاء: 80

10۔ القرآن، الانبیاء: 80

11۔ القرآن، النحل: 16

12۔ القرآن، النحل: 16

13۔ القرآن، العلق: 5-1

14۔ القرآن، العلق: 3

15۔ القرآن، آل عمران: 164

16۔ احمد، احمد بن محمد بن حنبل، المسند، (135/3)، وبیہقی، السنن الکبریٰ، (388/6)

17۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الأدب المفرد، (112)

18۔ القرآن، الغاشیۃ: 17

19۔ القرآن، النحل: 78

Marfat.com

فہرست مصادر ومراجع/کتابیات

1۔ القرآن الحکیم

2۔ آلوسی، محمود، شہاب الدین، علامہ، روح المعانی، مکتبہ امدادیہ ملتان، سن ندارد

3۔ ابن تیمیۃ، احمد بن عبدالحلیم، شیخ الاسلام، اقتضاء الصراط المستقیم، ناشر: دارالکتاب العربی، 1422ھ/ 2001ء

4۔ ابن سعد، محمد بن سعد، البصری، الطبقات الکبریٰ، ناشر: دارصادر، بیروت لبنان، 1968ء

5۔ ابن ہشام، عبدالملک بن ہشام حمیری، امام، السیرۃ النبویۃ، ناشر: مصطفیٰ البابی، مصر، 1375ھ

6۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، امام، السنن، ناشر: داراحیاء التراث العربی، طبع دوم، 1421ھ/ 2001ء

7۔ احمد، احمد بن محمد بن حنبل، امام، المسند، ناشر: المکتب الاسلامی

8۔ اندلسی، ابوحیان، البحرالمحیط

9۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، ناشر: دارالسلام، الریاض، طبع اول، 1417ھ/ 1997ء

10۔ بیضاوی، عبداللہ بن عمر، امام، تفسیر البیضاوی، ناشر: مکتبہ رحمانیہ، لاہور

11۔ بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین، امام، السنن الکبریٰ، مکتبۃ المعارف، الریاض

12۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام، جامع الترمذی، ناشر: داراحیاء التراث العربی، بیروت لبنان، طبع اول، 1422ھ/ 2001ء

13۔ سمہودی، علی بن احمد، علامہ، وفاء الوفاء باخبار المصطفیٰ، داراحیاء التراث العربی، بیروت لبنان

14۔ سیوطی، جلال الدین، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، حافظ، الخصائص الکبریٰ

15۔ عودہ، عبدالقادر، الشہید، الاسلام واوضاعنا السیاسۃ

16۔ مسلم، مسلم بن حجاج قشیری، امام، الصحیح، ناشر: المکتبۃ الرشیدیۃ، دھلی، 1376ھ

Marfat.com